تاریخ اسلام

حصہ اول

شاہ معین الدین ندویؒ

آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک

اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی، اور علمی تاریخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ: عرب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو بیانات ہیں' ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں' چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان' اور دوسری قوموں کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا تھا۔ دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے ''عربہ'' سے' جس کے معنی دشت و صحرا کے ہیں' چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل تھا' اس لیے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ: جغرافیائی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے' مغرب میں بحیرۂ قلزم' آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے' مشرق میں بحر ہند' خلیج فارس اور بحر عمان' جنوب میں بحر ہند' شمال کی حدود بہت مختلف ہیں' بعض جغرافیہ دان شام تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔ عرب کی اب تک باقاعدہ پیمائش اور مردم شماری نہیں ہوئی ہے لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چار گنا ہے اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے' ملک کا بڑا حصہ ریگستان و صحرا پر مشتمل ہے' ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے' عراق' یمن اور شام کے خطے شاداب و زرخیز ہیں' محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب و ہوا جدا جدا ہے لیکن عموماً گرم خشک ہے۔

قدیم تاریخ: عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہیں' مورخین نے انہیں تین طبقات پر تقسیم کیا ہے۔ عرب بائدہ' عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا تھا' عاد و ثمود کی قومیں اسی طبقہ سے تھیں' اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفوں کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کے حالات کا

پتہ نہیں چلتا‘ عرب عاربہ کی (جو قحطانی کہلاتے ہیں) تاریخ موجود ہے۔ یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے‘ یہی لوگ عرب کے اصل باشندے ہیں اور عرب کی قدیم تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے‘ عرب میں ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتیں تھیں۔ ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈرات اب تک عرب میں پائے جاتے ہیں‘ جو ان کے دنیاوی جاہ وجلال کے شاہد ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے‘ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ظاہر ہوا‘ ظہور اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب میں تھے اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے۔

بعثت ابراہیمی علیہ السلام: عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے سارے عالم میں گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی‘ روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص اللہ واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی‘ انسانوں کو معبودی کا دعویٰ تھا‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن بابل میں نمرود اپنا مجسمہ پجواتا تھا اور قوت کے زور سے اپنی معبودی منواتا تھا۔ اس تیرہ وتار دور میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نور ہدایت دے کر بھیجا‘ مگر اس عام تاریکی میں کوئی نگاہ اس نور کو نہ پہچان سکی اور ہر طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت ہوئی‘ نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوایا‘ اعزہ خاص نے مخالفت کی باپ دشمن بن گیا۔ اس لئے آپ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے۔ رقیون فرمانروائے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا‘ لیکن پھر اس کی نگاہوں سے باطل کا حجاب اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہ علیہا السلام آپ کے ساتھ بیاہ دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا تھیں ان کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت

کے لیے انہیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا' ان کے نکلنے کے بعد بنی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کرلیا۔ آل اسماعیل علیہ السلام نے ننھیالی رشتہ کی وجہ سے ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے' کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی کے مترادف تھی' آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انہوں نے تولیت کے گھمنڈ میں بڑی بد عنوانیاں شروع کر دیں۔ خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے' حجاج کو ستاتے' طرح طرح کے مظالم کرتے' جب ان کی یہ بدعنوانیاں حد سے سوا ہو گئیں تو آل اسماعیل علیہ السلام نے انہیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی (سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۶۴' ۶۵) اور یہ منصب نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا' یہ بڑا تاریخی شخص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا سلسلہ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا' اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی ربیعہ مضر اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے جنہوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت و شان حاصل کی۔ حجاز' نجد' عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصوں میں ان کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں' ان کا خاص پیشہ تجارت تھا۔

خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام: آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ہے' ظہور ہوا' اس کا لقب قریش تھا' اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے' قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے اس کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا' قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے۔ قصی کا باپ اس کے بچپن میں مر گیا تھا۔ ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لیے قصی کا بچپن بنی عذرہ میں گزرا۔ جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا' غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا' اس لیے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر

حجاز پہنچا' ناصیہ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت خراب ہو رہی تھی' ان کا کوئی نظام نہ تھا' وہ حجاز کے مختلف گوشوں میں منتشر تھے۔ حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہو گئے تھے اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت خلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی۔ قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھا' اسے یہ منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارا نہ ہوا' چنانچہ اس نے پہلے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا' اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی' اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری ص۔۱۰۹۷ و سیرت ابن ہشام ج۔ اول' ص۔۶۹) قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی اس کے کئی شعبے تھے' جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے' بڑے شعبے تین تھے' فوجی' عدالتی اور مذہبی' اور پھر یہ تینوں کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔

فوجی: (۱) عقاب' یعنی قومی نشان کی علمبرداری۔ (۲) قبہ' فوجی کیمپ کا انتظام۔ (۳) آعنہ' سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری۔ (۴) سفارہ، دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ۔

عدالتی شعبہ: (۱) ندوہ اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام۔ (۲) مشورہ' امور مہمہ میں صلاح و مشورت۔ (۳) مشنق جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت۔ (۴) حکومت مقدمات کا فیصلہ۔ مذہبی شعبہ میں (۱) سقایہ' حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام۔ (۲) عمارہ' خانہ کعبہ کا انتظام۔ (۳) رفادہ' حاجیوں کی مالی اعانت۔ (۴) سدانہ' خانہ کعبہ کی کلید برداری۔ (۵) ایسار' بتوں سے استخارہ کی خدمت' اموال المحجرہ بتوں کے چڑھاوے کا انتظام' یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم تھی۔ عقاب بنی امیہ' قبہ اور آعنہ بنی مخزوم' سفارت بنی عدی' ندوہ

بنی عبدالدار' مشورہ بنی اسد' اشناق بنی تمیم' حکومت بنی سہم' سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم' رفادہ بنی نوفل' سدانہ بنی عبدوار' ایسار بنی جمح اور اموال المحجرہ بنی سہم۔ (عقد الفرید ج۔ ۲' ص۔ ۳۱ میں ان مناصب کی تفصیل ہے) خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا۔ حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے۔ قصی سے پہلے ان کی آرام و آسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ ''حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے'' (طبری' ص۔ ۱۹۶) اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا' مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے' قصی نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا۔ (طبری' ص۔ ۱۹۶) قصی کی چھ اولادیں تھیں۔ عبدوار' عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبد' تخمر اور مرہ۔ مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبدوار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبدمناف نے حاصل کر لی۔ عبدمناف کے چھ لڑکے تھے۔ ان میں ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے۔ بنی عبدوار کی نااہلی کی وجہ سے انہوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبدوار سے لے لیے۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی' اخلاقی اور سیاسی حالت: اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی' ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور اللہ واحد کی پرستش کے لیے مکہ میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا' لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خاص اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے' بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں۔

ان کا وقتی اثر بھی ہوا‘ لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیئے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصے میں کوئی حقیقی اللہ شناس قوم باقی نہ رہ گئی۔ جن قوموں میں نور الٰہی کی کوئی کرن تھی تو اس پر جہل کے اتنے تو بر تو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔ ایران‘ روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی۔ ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی تھی۔ زرتشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی وہ یزدان اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی۔ ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حکومت البتہ ان میں تھی‘ لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا۔ رعایا ان کی پرستش کرتی تھی‘ ملک کے لیے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا۔ ظلم و جور کی حکومت تھی‘ طاقت ور کے مقابلہ میں ناتوانوں کی ہستی نہ تھی۔ ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا‘ آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا۔ روم و فرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونوں کے تاجدار تھے‘ کچھ ایران سے بھی زیادہ زبوں تھی۔ پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام‘ مریم علیہا السلام اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کے تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے۔ جن میں ہمیشہ کشت و خون بپا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین رہتا تھا۔ توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ہر پادری ایک با اختیار اللہ اور مسجود خلائق تھا اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی۔ ان کی جنبشِ لب پر نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا‘ حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت سیاہ تاریخ ہے۔ مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں‘ وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تجرد اور لذائذ

دینوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لیے آئی تھی۔ جنگ وجدل' سفاکی وخونریزی اور عیش وہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش ونشاط کے چکلے تھیں' جن میں اگر مذہبی جذبہ باقی بھی تھا وہ ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خودمختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل وانحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا۔ اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے ناآشنا رہا' لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ اپنے زمانوں میں فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے' لیکن یہ اسباق مدت ہوئی فراموش ہو چکے تھے اور پرانوں کی تعلیم کا دور دورہ تھا' جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے۔ شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا۔ پرانے دور میں یہ شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا' اوہام پرستی نے کروڑوں اللہ بنا دیئے تھے۔ زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے اللہ تھی۔ بقول ایک ہندو مؤرخ کے معبودوں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی معبودوں کا اوسط پڑتا تھا۔ پران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کر دیا تھا۔ ہر نیچا طبقہ اپنے سے بلند طبقہ کا غلام بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا' اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے۔ برہمن کے لیے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی۔ اگر اچھوت اونچی ذات والے کو چھو بھی لیتے تو اس کی سزا موت تھی۔ نچلے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً محروم کر دیئے گئے تھے۔

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی، ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کر سکتی تھی۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بدمستی میں ہر گناہ ثواب بن جاتا تھا محرمات تک سے

تمتع بھی کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی' بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامہ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔ مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا' بلکہ ان کا معلم بن گیا تھا' بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی۔ مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے' دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی' عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر دی جاتی تھیں' عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کر دی جاتی تھی' اس لیے وہ شوہر کے ساتھ جل کر مر جانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی۔ اس تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا تو وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر اللہ کی تلاش کرتا تھا اور تزکیہ روح کے لیے جسم کو ایسی دردانگیز سزائیں دیتا تھا جو طاقت بشری کی برداشت سے باہر ہیں۔ اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہو سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے' لیکن انہیں غرور اور گھمنڈ نے برباد کر دیا تھا' ساری مخلوق میں وہ صرف اپنی قوم کو اللہ کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ تمرد اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبروں کی بات تک نہ سنتے تھے اور انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔ ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا' لیکن وہ بھی ان کے دستبرد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا۔ احکام الٰہی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے اور صرف ان ہی احکام پر عمل کرتے' جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے۔ ظاہری دینداری اور لفظی موشگافیوں کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی اور سینکڑوں قسم کے اوہام و خرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی۔ انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے' سودخوری ان کی فطرت میں داخل تھی' جس نے ان میں بڑی شقاوت اور سنگدلی پیدا کر دی تھی' معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے' اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم التاریخ تھے' لیکن ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ ان کا مذہبی

مرکز بیت المقدس ان کے ہاتھوں میں نہ تھا اور دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت و تحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور ان کی یہ حالت اب تک قائم ہے' غرض عقیدہ' مذہب' اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے۔ (دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا پورا بیان سیرۃ النبی ﷺ ج۔۴' ص۔۱۶۲ تا ۱۶۹ سے ملخصاً ماخوذ ہے)

خود عرب کی حالت جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور اللہ کی بے آمیزش پرستش کے لیے سب سے پہلے اللہ کا گھر بنایا' دوسری اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی۔ گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے' لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی اور توحید کا رخ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ معبود واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اجنہ کو الوہیت کا درجہ دیتے تھے۔ بتوں کو مظہر خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان میں (۱) لات' (۲) منات' (۳) ہبل اور (۴) عزیٰ' زیادہ باعظمت تھے۔ ہبل' خاص خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا۔ قبائل کے بت علیحدہ علیحدہ تھے۔ منات' اوس و خزرج کا تھا۔ لات' ثقیف کا اور عزیٰ غطفان کا۔ عزیٰ کی پرستش ارکان حج میں داخل تھی۔ ان بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے۔ ان پر انسانوں کی قربانیاں ہوتی تھیں۔ بتوں کے نام کے تیروں کے ذریعہ سے قرعہ اندازی ہوتی تھی' ان کے علاوہ سینکڑوں لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور خانگی خدا تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام ج۔ اول اور کتاب الاصنام تجلی وغیرہ میں ان بتوں کی پوری تفصیل ہے) بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل میں مختلف مذاہب رائج تھے' ربیعہ و غستان عیسائی تھے۔ قضاعہ میں عیسائیت کا اثر تھا۔ حمیر' کنانہ' بنو حارث اور کندہ یہودی تھے۔ بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا' بعض قبائل میں ستارہ پرستی رائج تھی۔ (انقاب الامم ابن مساعد اندلسی) ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے

خیالات وعقائد پائے جاتے تھے۔ کچھ ملحد تھے' جو سرے سے اللہ کے وجود کے منکر تھے' بعض اللہ کے قائل تھے لیکن حشر ونشر اور سزا و جزا کو نہ مانتے تھے' بعض انبیاء کے منکر تھے۔ غرض کوئی ایسا عقیدہ وخیال نہ تھا جو عربوں میں رائج نہ رہا ہو۔ (کلام مجید کی آیات میں ان عقائد کی تفصیل موجود ہے)

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام وخرافات وبا کی طرح پھیلا دیئے تھے۔ اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی۔ جنگجوئی' انتقام پسندی' سفاکی اور خونریزی فطرت میں داخل تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی' جس کا سلسلہ پشتہا پشت تک جاری رہتا تھا۔ عربوں کی خانہ جنگیاں ''ایام عرب'' کے عنوان سے عربوں کی تاریخ کا مستقل باب ہیں۔ اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرموں کو نہایت دردانگیز سزائیں دیتے تھے۔ شراب نوشی گھٹی میں پڑی تھی' عرب کا ہر گھر مے خانہ تھا' بدمستی میں مال و دولت' ننگ و ناموس سب قربان کر دیتے تھے۔ قمار بازی بڑے فخر ومباہات کی چیز تھی۔ گھر کی کل دولت' حتیٰ کہ عورتیں تک بازی میں لگا دیتے تھے۔ سودخوری بھی یہودیوں کے فیض سے داخل ہو گئی تھی اور سود در سود سے مقروض کو تباہ کر ڈالتے تھے۔ چوری اور ڈاکہ بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا' فسق وفجور اور بے حیائی و بے شرمی ہنر بن گئی تھی۔ بڑے بڑے شرفاء اپنی عزیز عورتوں اور شریف خواتین کے عشق ومحبت کی داستان فخریہ عام مجمع میں مزے لے کر سناتے تھے۔ زنا کوئی عیب نہ تھا' عورتوں کی کوئی قیمت نہ تھی' لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتیں چاہتے تھے رکھ لیتے تھے۔ اس عالمگیر ظلمت میں جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہیں نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی اور اللہ کی مخلوق' الٰہی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق وشرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خودغرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا۔ ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق

کو راہ راست پر لگائے اور ایک قوم کو نمونہ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے۔

دعوت توحید کے لیے عرب کا انتخاب: دنیا کے ہر اصلاحی اور مفید انقلاب کی زد خواہ وہ اخلاقی و روحانی ہو یا مادی سب سے زیادہ اونچے اور متمدن طبقے پر پڑتی ہے۔ اس سے اس کے وقار و امتیاز کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس لیے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں ہر مفید تحریک اور دعوت اصلاح کی مخالفت خواہ وہ پیغمبر کی آواز حق ہو یا دنیاوی مصلح کی دعوت اسی طبقہ نے کی اور تجدید و اصلاح اور اس کو قبول کرنے اور اس کو پھیلانے والے وہی طبقات رہے ہیں جنہیں غریب نیچا اور غیر متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا ظہور اسلام کے زمانہ میں ایران و روم اور فرنگ کے خطے تعلیم و تہذیب دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہو چکے تھے۔ ان میں جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی۔ عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا۔ عرب کتابی تعلیم سے نا آشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے اور ہر طرح کی برائیوں کے باوجود ان میں آزادی حریت حق گوئی جرات و بیباکی شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے۔ اس لیے متمدن اقوام کے مقابلہ میں ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی۔ اس لیے امانت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لیے اسی سادہ مگر پر جوش قوم کا انتخاب ہوا اور دنیا کے موحد اعظم خلیل اللہ کی نسل سے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا۔

ہاشم کی خدمات و کارنامے: اوپر ہاشم کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ کعبہ کے متولیوں میں قصی کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں خاندان قریش کی بڑی عظمت قائم کی۔ قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ وہ ملکوں ملکوں پھر کر تجارت کرتے تھے۔ ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدود سلطنت میں قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا۔ عرب کے راستے محفوظ نہ

تھے۔ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔(امالی بوعلی قال) حرم کے متعلق اپنی مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے۔ان کی خدمات کی وجہ سے قریش میں ان کی عزت و وقعت تھی۔انہوں نے مدینہ کے خاندان بنی نجار میں شادی کی لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے۔بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بچے کو لے آئے اور اپنے آغوش شفقت میں ان کی پرورش کی۔ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا۔(زرقانی ج۔اص۔۸۵)

عبدالمطلب: سن شعور کو پہنچنے کے بعد عبدالمطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے۔اپنے زمانہ تولیت میں انہوں نے چاہ زمزم کو جو اٹ کر گم ہو گیا تھا۔پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا۔عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیں گے' تو ان میں سے ایک لڑکا اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لیے دسوں لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے۔عبداللہ کے نام جو تمام اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھے' قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے۔آخر میں روسائے قریش کے مشورے سے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کی۔

(سیرت ابن ہشام ج۔اول' ص۔۸۲'۸۳)

عبداللہ: اس کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبداللہ کی شادی کر دی۔شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہو گیا۔عبداللہ محبوب خاندان تھے' ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا۔

ولادت نبوی ﷺ: عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل

۵۷۱ء میں ۹ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی۔ ساتویں دن عقیقہ کر کے محمد (ﷺ) نام رکھا۔ (سیرت ابن ہشام ج۔ ا' ص۔ ۸۷) اور کل قریش کی دعوت کی۔ قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا' جواب تک رائج نہ تھا سبب پوچھا؟ عبدالمطلب نے کہا میرا فرزند ساری دنیا میں مدح وستائش کا سزاوار قرار پائے۔ (سیرت ابن ہشام ج۔ ا' ص۔ ۸۷)

حضرت حلیمہ کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال:
شرفائے مکہ میں دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے بچوں کو ایام رضاعت ہی میں دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے۔ اس دستور کے مطابق چھ مہینے بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ کے جو بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھی' حوالہ کر دیا۔ دو برس تک اس بچہ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی۔ تیسرے برس حلیمہ نے یہ امانت آ کر آمنہ کو واپس کر دی۔ ابھی اس یتیم کا سن چھ سال تھا کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں ان کا انتقال ہو گیا اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔ عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی۔ بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی۔ ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے' ایک پل کے لیے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد' دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ابوطالب کی پرورش اور شام کا سفر: عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابوطالب کے سپرد کرتے گئے۔ ان کو بھی یتیم بھتیجے کے ساتھ محبت تھی۔ اس کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے' ابوطالب کا شغل تجارت تھا' اس سلسلہ میں وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے

بارہویں سال ان کو شام کا سفر پیش آیا، گو ابو طالب آپ کو ایک لمحہ کے لیے جدا نہیں کرتے تھے، لیکن سفر کی تکالیف کے خیال سے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن چلتے وقت آپ ﷺ چچا سے لپٹ گئے۔ اس لیے وہ ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے۔

عام روایتوں کے مطابق بحیراء راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ (اس واقعہ کی تفصیل روایتوں میں یہ ہے کہ جب ابو طالب بصرہ پہنچے تو ایک عیسائی راہب بحیراء کی خانقاہ میں اترے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا، یہ سید المرسلین ہیں، لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ بحیراء نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو تمام درخت اور پتھر سب سجدے کے لیے جھک گئے۔ یہ روایت ترمذی میں ہے، لیکن اصول روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ناقابل اعتماد ہے۔ اولاً اس کے راوی ضعیف ہیں اور دوسرے اس میں ہے کہ ابو طالب نے اس واقعہ کے بعد بصرہ ہی سے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ حالانکہ اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صغیر السن اپنے گھر میں رہے ہوں گے، لیکن اس ضعیف روایت کے باوجود عیسائی مصنفین نے اس روایت کو بہت اچھالا ہے اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مذہب کے اسرار و حقائق بحیراء راہب سے سیکھے تھے، جس کو انہوں نے آگے چل کر اسلام کی شکل میں پیش کیا۔ حالانکہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جاتا تو اس میں بحیراء راہب سے استفادہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، پھر آنحضرت ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ اس عمر کا بچہ مذہب کے اسرار و حقائق کو کیا سیکھتا۔ علامہ شبلی نے (سیرت جلد اول میں اس کی مفصل تردید کی ہے)۔

ایک جنگ میں شرکت: عربوں میں ہمیشہ لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس میں جنگ ہوئی، قریش اس جنگ میں برسر حق تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کا ساتھ دیا لیکن کسی پر

تلوار نہیں اٹھائی۔(روض الانف ج ۱،ص ۱۲۰)

تجارت کا شغل: سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسب معاش کی فکر ہوئی۔اس وقت آپ نے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا۔لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا۔آپ ﷺ کے تجارتی تجربے اور دیانت کی شہرت کافی ہو چکی تھی۔اس لیے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دے دیتے تھے۔آپ نہایت محنت اور دیانتداری کے ساتھ ان کا کام کرتے' رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔(زرقانی ج ۱'تزویج خدیجہ میں اس کی تفصیل ہے)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک معزز پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں۔ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا۔آنحضرت ﷺ کے تجارتی تجربات اور دیانتداری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لیے شام لے جایئے' جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس کا دوگنا آپ ﷺ کو دوں گی۔آپ ﷺ نے منظور کر لیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔اس نے آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات مشاہدہ کیے اور واپس ہو کر اپنی مالکہ سے بیان کیے۔خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھیں۔میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہو گئی۔ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لیے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی۔اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شادی کی درخواست کی' آپ نے منظور فرما لیا اور ابو طالب نے پانچ سو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا......اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰ سال تھی' پانچویں

پشت پر دونوں کا نسب نامہ مل جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو زرقانی ج۔ا' ص۔۲۳۲ و مابعد)

حلف الفضول میں شرکت: قبائل کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے سینکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے اور حجاز کا امن و امان خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ جنگ فجار کے بعد لوگوں کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تمیم نے آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ ملک میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش اور مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی امداد کریں گے۔ مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑائیں گے۔ (طبقات ابن سعد ج۔ا' ص۔۳۸۲) آنحضرت ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا کہ زمانہ اسلام میں آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور آج اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔ (مستدرک حاکم ج۔۲' ص۔۲۲۰)

تعمیر کعبہ: خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی۔ بارش کے زمانہ میں پانی سے بچاؤ کے لیے بند بندھوایا گیا تھا' لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کی عمارت بھی امتداد زمانہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی اس لیے قریش نے اس کو تڑوا کر از سر نو تعمیر کرایا۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا۔ تو اس شرف کے حصول کے لیے قبائل میں تلواریں نکل پڑیں۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی حکم قرار پائے۔ اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی ایمانداری اور دیانت پر سب کو اعتماد تھا۔ اس لیے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا۔ آپ نے رفع شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس میں حجر اسود رکھ دیا اور فرمایا' ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے اور جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمایا۔

بعثت

ظہور اسلام: یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا' گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں' اللہ کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اور آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے' لے گئیں۔ انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا "یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ (ﷺ) کو نکال دے گی' اس وقت آپ (ﷺ) کی مدد کرتا' (بخاری باب بداء الوحی و کتاب التعبیر) اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہوگئی اور آپ ﷺ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

دعوت اسلام کا مخفی آغاز: لیکن ایک ایسی قوم کو جو صدیوں سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی۔ توحید کی دعوت دینا خصوصاً اس حالت میں کہ رؤسائے قوم کے سالہا سال کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا' آسان نہ تھا' اس لیے اول اول اپنے ان مقربان خاص کو اسلام کی دعوت دی' جو لوگ آپ کے عادات و خصائل سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا۔ چنانچہ عورتوں میں سب سے اول آپ ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' مردوں میں آپ ﷺ کے قدیم رفیق و محرم راز حضرت ابوبکر صدیق' غلاموں میں آپ کے محبوب غلام زید' نوعمروں میں آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اور آپ تین سال تک خاموشی سے اس فرض کو انجام دیتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے با اثر تھے ان کے اثر سے حضرت عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص' طلحہ بن زبیر رضی اللہ عنہم مشرف با سلام ہوئے' ان کے قبول اسلام کے اثر سے اس کا دائرہ بڑھنے لگا' چنانچہ حضرت خباب بن ارت'

عمار بن یاسر، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ، صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ یہ تمام کام خفیہ ہوا (ان بزرگوں کے قبول اسلام کے واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں)

اعلانیہ تبلیغ: لیکن آپ کا فرض تنہا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیوں کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہو جاتا تھا بلکہ سارے عالم کو اعلانیہ دعوت دینا تھا۔ اس لیے تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔ ﴿یا ایها المدثر قم فانذر﴾ اور ﴿فاصدع بما تئومر﴾ اور ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ اس حکم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی ﴿یامعشر قریش﴾ اے قریشیو! آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے سوال کیا کہ "اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آ رہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا "ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ (بخاری ج۔۲، ص۔۱۰) یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے خلاف بات سن کر سب بگڑ گئے۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ سب خاموش رہے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے آشوب چشم کی تکلیف ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نوعمر ہوں، لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا ان کے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے۔ (طبری ج۔۳، ص۔۱۱۷۱)

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز: اب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حرم میں جا کر توحید

کا اعلان کیا' اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے۔ حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی اس میں وہ مقتول ہوئے' یہ راہ للہ میں پہلا خون تھا۔ (اصابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ) اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی' لیکن جوں جوں اسلام کے پرستاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی' ان کی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے۔ اسلام ان کے صدیوں کے عقائد و رسوم کو باطل کر رہا تھا۔ ان کے معبودوں کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے' آگ کا ایندھن بتاتا تھا۔ قرآن اعلانیہ قریش کی بداخلاقیوں کی پردہ دری کرتا تھا اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پر ان کا جو اقتدار قائم تھا' اسلام اس کا خاتمہ کیے دیتا تھا۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے اس لیے بنی امیہ آل ہاشم میں نبوت کے اعزاز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے' اس لیے یہ سب سے زیادہ مخالفت میں پیش پیش تھے۔

ابوطالب سے شکایت' ان کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا استقلال: ان اسباب کی بنا پر سارا قریش اسلام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ تاہم شروع میں انہوں نے سختی کی بجائے صلح اور آشتی سے آنحضرت ﷺ کو باز رکھنے کی کوشش کی' جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا۔ انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا' لیکن آنحضرت ﷺ اپنے فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتے تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے' ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے' ہمارے معززین کو ناسمجھ بتاتا ہے' اس لیے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ' ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کر لیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر سمجھایا کہ ''بیٹا! چچا پر ناقابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت

چھوڑ دے۔ آپ ﷺ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابو طالب تھے' ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا .... "چچا جان اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لاکر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتا' تا آنکہ میں کامیاب ہوں یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے" .... ابو طالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا جاؤ جو دل آئے کرو میں کسی بھی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ (سیرت ابن ہشام ج۔۱ ص۔۸۹)

قریش کی ایذا رسانی: ابو طالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے' نماز پڑھتے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لاد دیتے' بدزبانیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ بن معیط نے گردن مبارک میں اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ (بخاری باب مالقی نبی ﷺ من المشرکین) آپ ﷺ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اپنا فرض برابر ادا کیے جاتے تھے۔

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت ﷺ کا جواب: قریش سخت متحیر تھے کہ آپ ﷺ یہ تمام سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انہوں نے اپنی محدود پرواز خیال کے مطابق خیال کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کا حصول ہے' اس لیے انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپ ﷺ سے کہا "محمد (ﷺ) کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست؟ کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ دولت کا ذخیرہ؟ ان میں سے ہر شے تمہارے لیے مہیا کر سکتے ہیں' بشرطیکہ تم ان باتوں سے باز آ جاؤ۔ ان ترغیبات کے جواب میں آپ ﷺ نے سورہ حم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں' عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا۔ یہاں سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا

تھا۔ قریش سے جا کر کہا' "محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ سحر ہے نہ کہانی نہ شاعری' وہ کچھ اور ہی شے ہے' اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا' میری رائے میں تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے۔ (سیرت ابن ہشام ج۔۱' ص۔۱۵۴' ۱۵۵) لیکن قریش نے ان کی رائے منظور نہ کی۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام: چند دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ عدی کے منصب دار عمر بن الخطاب مسلمان ہو گئے۔ عمر بن الخطاب دوسرے رؤسا نے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اپنے بہن بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے' اسلام کے جرم میں سزا دینے کے لیے گئے تھے' لیکن قرآن کی سحر آفرین آیتیں سن کر مسحور ہو گئے۔ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے۔ ان کے لیے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے جری اور دبدبہ و شکوہ کے شخص تھے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعتاً حالت بدل گئی۔ انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مشرکین نے اول اول ان پر بھی بڑی سختی کی' لیکن ان کی ثابت قدمی نے انہیں شکست دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو لے کر اعلانیہ حرم میں نماز ادا کی اور اس وقت سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ (اسلام کی تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے' اس لیے سیرت و طبقات کی تمام کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ دیکھو ابن ہشام جلد اول' ص۔۱۸۶ و مابعد)

مسلمانوں پر مشرکین کا جور و ستم: جب اسلام غرباء اور کمزوروں سے بڑھ کر ارکان و عمائد میں پھیلنے لگا اور مشرکین ان کے مقابلہ میں مجبور ہو گئے۔ اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی و مددگار مسلمانوں پر ٹوٹنے لگا۔ چنانچہ انہیں

درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپ کے دونوں کے مذہب کے خلاف ہے' اختیار کیا ہے اور آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ اس لیے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ امرائے دربار نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے نووارد مسلمانوں کو بلا کر ان سے پوچھا۔ ''تم نے وہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونوں کے خلاف ہے''۔ اس کے استفسار پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر کی!

''ایہا الملک! ہم لوگ جاہل تھے' بتوں کو پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاری اور قطع رحم کرتے تھے' ہمسایوں کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے۔ ہم میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہم میں اللہ نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت' پاکبازی' امانت داری اور حسب و نسب سے ہم سب واقف ہیں۔ اس نے ہم کو معبود واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں۔ صرف معبود واحد کی پرستش کریں' سچ بولیں' امانتداری اور صلہ رحمی کریں' انسانوں کا حق ادا کریں' خونریزی اور حرام باتوں کو چھوڑ دیں' عفیفہ عورتوں پر تہمت نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے' اس کی تعلیمات کو قبول کیا' شرک چھوڑ کر اللہ کی عبادت اختیار کی' حلال و حرام کو پہچانا اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کر لیں''۔

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کھیعص کا ابتدائی حصہ سنایا' اسے سن کر نجاشی اور اس کے بطریقوں پر بے اختیار رقت طاری ہو گئی اور اس نے کہا ''اللہ کی قسم یہ کلام اور عیسیٰ (علیہ السلام) کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں'' اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ

مظلوم تمہارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔ اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا' ان لوگوں سے ذرا عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق تو پوچھیے' کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا یہ بڑا آزمائش کا موقع تھا۔ قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کا سخت مخالف تھا' لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کریں گے۔ چنانچہ نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق تم لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ:

''تم نے جو کچھ بیان کیا' عیسیٰ (علیہ السلام) اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں''۔ نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے' لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی۔ (یہ پوری تفصیل مسند احمد بن حنبل ج۔ ۱ص۔ ۲۰۲ اور سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص۔ ۱۸۱ و مابعد میں مذکور ہے)

حبشہ کی دوسری ہجرت: چند دنوں حبشہ میں قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبریں سن کر مکہ لوٹ آئے' قریب پہنچ کر حقیقت معلوم ہوئی' کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے' لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان میں آ گئے۔ قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے اس لیے اب انہوں نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا۔ اس لیے دوبارہ ایک سو دو مسلمانوں کو جن میں ۸۲ مرد اور بیس عورتیں تھیں ترک وطن کرنا پڑا۔

بنی ہاشم کا مقاطعہ' شعب ابی طالب میں نظر بندی اور رہائی: قریش کی ہر طرح کی بندشوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کریں تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے' ان کے ساتھ شادی بیاہ کے

تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ان کے ساتھ خرید وفروخت بند کر دی جائے‘ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے‘ ان سے کسی قسم کا ربط وضبط نہ رکھا جائے۔غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لیے جائیں۔مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی باحمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکتا تھا۔اس لیے ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں‘ جو انہی کے نام کی نسبت سے ''شعب ابی طالب'' مشہور تھی‘ چلے گئے اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچنے پاتی تھی۔ بعض رحم دل چرا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے‘ جس پر ان لوگوں کی زندگی کا مدار تھا۔ تین سال گزرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی۔انہوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیے۔چنانچہ ہشام مخزومی‘ زمعہ بن الاسود‘ مطعم بن عدی اور زبیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے (اس کا ذکر ابن سعد‘ ابن ہشام اور طبری وغیرہ سب کتابوں میں ہے)

معراج اور فریضہ نماز: اسی سن میں معراج ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو عالم افلاک اور جنت دوزخ کی سیر کرائی گئی معراج ہی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال: قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنوں بعد آنحضرت ﷺ کے چہیتے اور ظاہری پشت پناہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپ ﷺ کے دو محسن اٹھ گئے۔

آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی میں بے باکی: ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مالی وجاہت رسول اللہ ﷺ کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے۔ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس ولحاظ باقی نہ رہ گیا اور ان کو نہایت

آزادی کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقعہ ملا' چنانچہ انہوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ (حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے واقعات ہیں)

تبلیغ کے لیے طائف کا سفر اور واپسی: اگرچہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی' آنحضرت ﷺ عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آ رہے تھے اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے' لیکن اہل مکہ کی متمردانہ روش سے آپ ﷺ کو ان کے قبول حق کی امید باقی نہ تھی۔ اس لیے دوسرے بندگان اللہ کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچانے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور یہاں کے رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن یہاں بھی وہی جواب ملا اور وہی تمرد و سرکشی نظر آئی' جس کا مشاہدہ مکہ میں ہو چکا تھا' بلکہ مکہ والے پھر بھی اپنے تھے' سب کو نہ سہی بعضوں کو آپ ﷺ کا پاس ولحاظ تھا۔ طائف والے بالکل بیگانہ تھے' اس لیے انہوں نے اہل مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو تالیاں بجا کر آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے اور آپ ﷺ پر پتھر برسا کر لہولہان کر دیا۔ اس لیے آپ ﷺ یہاں سے بھی مایوس ہو کر پھر مکہ لوٹے۔

مطعم بن عدی کی زیر حمایت فریضہ تبلیغ میں وسعت: اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور حرم میں جا کر اعلان کر دیا کہ "میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی امان میں لے لیا ہے' اب کوئی انہیں ستانے کا ارادہ نہ کرے' مطعم بن عدی کی امان میں آنے کے بعد آپ ﷺ نے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ عام مجمعوں میں عکاظ اور ذی المجاز کے بازاروں میں حج کے موقعہ پر بنی عامر' بنی فزارہ' غسان' مرہ خلیفہ' سلیم' عبس' بنونصر' کندہ' کلب' عذرہ' حضار' بہہ وغیرہ قبائل کا دورہ کر کے لوگوں کو پیغام حق سنایا۔ دشمن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے جھوٹ کہتا ہے اس کی

باتیں نہ سنو (صواہب لدنیہ میں اس کی پوری تفصیل ہے دیکھو زرقانی جلد اول' ص ۳۵۸)

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت: عین ان حالات میں اللہ نے قبیلہ اوس وخزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے تھے۔ اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے' لیکن یہودیوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان پر یہودیوں کا بڑا اثر واقتدار تھا' لیکن ظہور اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہوگئی تھی۔ مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے۔ یہ بھی حج کے لیے مکہ آیا کرتے تھے۔ موسم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے اور قبائل عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے' اسلام پیش کیا۔ انہوں نے جن کی تعداد چھ تھی' اسلام قبول کرلیا۔ اس کے دوسرے سال بارہ آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انہیں احکام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ کردیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ کے رئیس سعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے' مدینہ آنے کے بعد انہوں نے گھر گھر پھر کر اسلام کی دعوت شروع کردی۔ ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصا اسلام پھیل گیا۔ اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی مسلمان ہوئے' ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا۔ دوسرے سال حج کے موقعہ پر بہتر (۷۲) اہل مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے دست حق پر بیعت کی۔ (مستدرک حاکم جلد اول' ص ۱۵)

اگرچہ آفتاب اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے نکل کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں' لیکن خود اہل مکہ کے تمرد وسرکشی کا اب تک وہی حال تھا۔ گو یہاں بھی ایک

معتد بہ جماعت اسلام لا چکی تھی‘ لیکن رؤسا جو اسلام کی راہ کا سنگ گراں تھے۔ اب تک ضلالت پر قائم تھے‘ بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا اور غریب مسلمانوں پر انہوں نے مکہ کی زمین تنگ کر رکھی تھی۔

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہدوپیمان: آنحضرت ﷺ کا فرض صرف چند انسانوں کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا تھا‘ بلکہ سارے عالم کو اللہ واحد کے سامنے جھکانا اور خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلا گھر اللہ کا تھا۔ بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا اور یہ اہم فرض مکہ میں رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے۔ اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے بعد ابھی بہت کم اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لیے کسی پرامن مقام کی ضرورت تھی۔ اوس وخزرج کے قبول اسلام سے مدینہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن سب اسلام پر نثار کرنے کو تیار تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے کا عزم فرمایا‘ انصار کے لیے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی تھی۔ وہ آنکھیں فرش راہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ان میں خون کی محبت موجود تھی‘ ان بہتر (۷۲) انصاریوں سے جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا‘ فرمایا کہ گروہ خزرج! محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں ہم ان کے دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے‘ اب وہ تمہارے یہاں جانا چاہتے ہیں‘ اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے‘ ورنہ ابھی صاف جواب دے دو‘ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس پر بیعت کرو کہ اپنے اہل وعیال کی طرح میری حفاظت کرو گے‘ یہ سن کر براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی۔ براء رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم نے پشتہا پشت سے جنگ و جدال میں پرورش پائی ہے۔ ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ابوالہیثم انصاری بات کاٹ کر بولے' یارسول اللہ ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں' بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے' ایسا نہ ہو کہ جب آپ (ﷺ) کو اقتدار حاصل ہو اس وقت آپ (ﷺ) ہم کو چھوڑ دیں اور اپنے وطن لوٹ آئیں۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے' تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص ۲۴۲) اس گفتگو کے بعد آنحضرت ﷺ نے جماعت انصار میں سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی۔ سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا بھائیو! خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن وانس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہاں ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں (سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص ۲۴۴)

صحابہؓ کی ہجرت مدینہ: مدینہ میں جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ ؓ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی' لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ ؓ نکل گئے۔ صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اور وہ صحابہ ؓ جو ناداری کی وجہ سے مدینہ تک جانے کی طاقت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش: مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو امن و سکون نصیب ہوا اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا' وہ سن کر پیچ و تاب کھاتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس لیے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ میں (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا۔

چنانچہ عتبہ‘ ابوسفیان‘ جبیر بن مطعم‘ ابوجہل‘ امیہ بن خلف اور حکیم بن حزام وغیرہ رؤسائے قریش نے اس بارہ میں مختلف رائیں دیں۔ سرخیل اعداء ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد (ﷺ) ہی کا کام تمام کر دیا جائے کہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہوتا کہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکیں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور رات گزرنے کے بعد کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کر کے آپ ﷺ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ (سیرت ابن ہشام ج۔۱ ص۔۲۶۵)

ہجرت نبوی ﷺ: آنحضرت ﷺ کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہوگئی۔ آپ ﷺ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا ”میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا‘ تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو‘ صبح کو سب امانتیں پہنچا دینا“ .... اللہ کو اپنا دین مکمل کرنا تھا اس لیے مشرکین کو نیند آ گئی اور انہیں غافل پا کر آنحضرت ﷺ گھر سے باہر نکل آئے اور ان پر حسرت کلمات کے ساتھ ..... ”مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے‘ لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے“ ..... کعبہ کو الوداع کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے‘ یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا۔ فوراً دونوں روانہ ہو گئے اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے۔ تین دن تک اس غار میں مقیم رہے۔ اس درمیان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ برابر رات کو غار میں ساتھ رہتے اور سویرے مکہ چلے جاتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آ کر ان کی اطلاع دیتے آپ رضی اللہ عنہ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا۔

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی: ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت ﷺ کی بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر پایا۔ یہ بہت کمسن تھے‘ اس لیے معمولی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے‘

ڈھونڈتے ڈھونڈتے غارِ ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے خیال سے گھبرا گئے۔ آپ ﷺ نے اطمینان دلایا' گھبراؤ نہیں' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس اعتماد نے دستگیری کی اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ پر نہ پڑی اور وہ ناکام لوٹ گئے۔ آنحضرت ﷺ چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے۔

آنحضرت ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (ﷺ) یا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ ابن جعشم نے دور سے آپ ﷺ کو دیکھا تھا' لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا۔ اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا' لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں لیں۔ قریب پہنچ کر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اس پیہم بدشگونیوں پر اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہیں اس لیے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کر دیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر آپ ﷺ کو اشتہار کا حال سنایا اور استدعا کی آئندہ کے واسطے میرے لیے امان لکھ دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ سے لکھوا کر دے دیا' یہ تحریر پا کر سراقہ لوٹ گیا اور آنحضرت ﷺ منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ (یہ پوری تفصیل بخاری باب الہجرت سے ماخوذ ہے)

اہل مدینہ کا انتظار: اہل مدینہ آپ ﷺ کی تشریف آوری میں چشم براہ تھے۔ روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کر کے ناکام لوٹ جاتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس ہوئے تھے کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہل عرب جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا' یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیروں سے گونج اٹھا۔

قباء میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس: مدینہ سے باہر قبا میں چند انصاری خاندان آباد تھے' حوالی مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے پہلی منزل قبا میں کی اور کلثوم بن ہدم کو شرف میزبانی

حاصل ہوا' قبا میں آپ ﷺ کے آنے کی خبر سن کر جوق در جوق انصاری اسلام کے لیے حاضر ہونے لگے۔ (بخاری ج۔ا' ص۔ ۵۶۰ و طبقات ابن سعد حصہ سیرۃ ص۔۱۵۸) یہاں آپ ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی' قرآن میں لمسجد اسس علی التقوی سے یہی مسجد مراد ہے۔ (اس مسجد کی تعمیر کی تفصیل وفاء الوفاء میں مذکور ہے)

مدینہ میں داخلہ' انصار کا جوش اور ابوایوب انصاری کے یہاں قیام: تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے' راستہ میں بنی سالم کے محلّہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ سارا مدینہ استقبال کے لیے ٹوٹ پڑا تھا۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصاریوں کی صفیں تھی۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا' حضور! یہ جان ہے یہ مال ہے' یہ دولت ہے۔ آپ ﷺ اظہار منت کرتے اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ سارا مدینہ جوش استقبال میں امنڈ آیا' عورتیں گاتی ہوئی چھتوں پر چڑھ گئیں' معصوم لڑکیاں خوشی میں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔ (زرقانی ج۔ا' ص۔۴۳۳) جب کوکب نبوی ﷺ حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے مکان کے پاس پہنچا' اس وقت شرف میزبانی کے لیے باہم سخت کشمکش ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے وہ جہاں جا کر بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی' چنانچہ یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے حصہ میں آئی۔ آپ ﷺ نے سات مہینہ ان کے یہاں قیام فرمایا' اسی وقت سے سنہ ھ کا آغاز ہوتا ہے۔

تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام: اب تک مدینہ میں مویشی خانہ میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی۔ انہوں نے بلا قیمت نذر دینی چاہی' مگر آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا اور باصرار قیمت ادا فرمائی اور صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی جس کی دیواریں کچی

نقد لے کر اپنا کاروبار علیحدہ شروع کر دیا' یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ جب تک آیت میراث نازل نہ ہوئی اس وقت تک متوفی انصار ﷺ کی وراثت مہاجرین ﷺ کو ملتی تھی جب مہاجرین کی حالت سنبھلتی گئی۔ مہاجرین' انصار کی امانت انہیں واپس کرتے گئے۔

یہود مدینہ سے معاہدہ: یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے صاحب اقتدار تھے۔ مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آ رہے تھے۔ گو اب ان کا پہلا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا۔ تاہم انصار کے مقابلہ میں ان کی امتیازی شان قائم تھی۔ اس لیے ان کی جانب سے آنحضرت ﷺ کو خطرات تھے' چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے ایک معاہدہ کیا' جس کی اہم دفعات یہ ہیں کہ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے' فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے' کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا' جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔ فریقین میں سے جب کوئی کسی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہوگی' البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی (تفصیل کے لیے دیکھو ابن ہشام ج ۱' ص ۲۷۸' ۲۸۹) اب تک نماز کی صرف دو رکعتیں تھیں۔ ۱ھ میں فجر کے علاوہ ظہر' عصر اور عشا میں چار چار ہو گئیں۔

مکہ کا قبلہ قرار پانا: اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا نماز پڑھتے تھے' لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا اس کے استقلال و اختصاص کے لیے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت تھی۔ اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لیے آیا تھا اس لیے اس کا قبلہ خانہ ابراہیم علیہ السلام ہی ہو سکتا تھا' چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد ۲ھ میں اللہ نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا۔

یہودیوں کی مخالفت کا آغاز: انصاریوں کی مالی کمزوری اور بت پرستی

کی وجہ سے ان پر مدتوں سے یہودیوں کا جو مذہب اور دولت وثروت دونوں میں ان سے ممتاز تھے۔ مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا۔ اسلام نے ان کی برتری کو نقصان پہنچایا تھا' اس لیے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے' لیکن ابتداء میں ان کی مخالفت پردہ میں رہی اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانوں کے بھیس میں' نمازوں میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوجاتے تھے' لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا اس وقت ان کی منافقت کا راز فاش ہوگیا اور وہ اعلانیہ مسلمانوں کے خلاف ہوگئے۔

مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ:

سنہ ۲ھ سے اسلام کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور اس کے پیروؤں کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہوکر اپنی بقا وحفاظت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینی پڑی' اس دور پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جب تک مکہ میں کسمپرسی کی حالت میں رہا' اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا' مدینہ پہنچ کر جب اس میں قوت پیدا ہوئی اس وقت اس نے تلوار اٹھائی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی مسلمانوں کو پورا اطمینان نہیں ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہیں رہی لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہوگیا' وہاں صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا' مدینہ آکر اس میں یہودیوں اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہوگیا۔ یہود کی مخالفت کا سبب تو کھلا ہوا ہے کہ اسلام ان کے صدیوں کے وقار کو مٹا رہا تھا۔ انصاریوں کے خاندان میں بھی بعض وہ رؤسا جن کی سیادت خطرہ میں پڑ گئی تھی' گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے لیکن دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ عبداللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے تاج تیار کر رکھا تھا۔ (بخاری باب السلام علی جماعۃ

فیہا المسلم والکافر) اس کے علاوہ قریش جنہیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی' تمام قبائل عرب کو' جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے' مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکال دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ (سنن ابی داؤد ج۔۲' ص۔۶۷ باب خبر النضیر) آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے' اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے عبداللہ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا اور انصار کی حمایت اسلام پر قریش کا جوش غضب برابر بڑھتا جاتا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ عمرہ کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے۔ قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دی ہے اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے...... سعدؓ نے کہا...... "اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے"۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی) قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی بلکہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے (لباب النقول فی اسباب النزول السیوطی' مسند دارمی)

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں: ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حامی انصاریوں کی حفاظت کے لیے' جنہوں نے اسلام کی خاطر قریش کی دشمنی خرید لی تھی۔ مدافعانہ کارروائی کرنی پڑی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کر دی اور حمزہ' عبید بن حارث اور سعد بن ابی وقاصؓ کو مختلف اوقات میں تھوڑی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف

لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے جان نثارانہ تقریریں کیں، لیکن آپ ﷺ انصار کا عندیہ لینا چاہتے تھے۔ قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے انصار کی طرف سے عرض کیا کہ آپ ﷺ جہاں تشریف لے جائیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اور جس سے چاہیں تعلق منقطع کر لیجیے، جس سے چاہیں قائم رکھیے، آپ ﷺ ہم سے جو لینا چاہیں یا ہم کو دینا چاہئیں، ہم دونوں کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ ہمارا جس قدر مال قبول فرمائیں گے اس سے ہم کو زیادہ خوشی ہوگی۔ اس مال کے مقابلہ میں جو آپ ﷺ چھوڑ دیں گے۔ آپ ﷺ جو حکم دیں گے ہم سب آپ کے تابع ہیں، اگر آپ ﷺ برک غماد تک بھی جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم کود پڑیں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں ہیں، جس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم آپ ﷺ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے“۔ یہ تقریر سن کر آپ ﷺ کا چہرہ وفور مسرت سے چمک اٹھا (زاد المعاد جلد اول، ص ۔۳۴۲) اور آپ ﷺ رمضان ۲ ھجری ۶۲۳ء میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ سے روانہ ہوئے اس درمیان میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور سو سوار تھے، عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت ﷺ کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی۔ آپ ﷺ وہیں ٹھہر گئے، لیکن قریب کوئی کنواں نہ تھا، اس لیے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے اور رات بھر دعا و مناجات میں مصروف رہے۔ صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی، الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ آج اگر یہ تیرے چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد اول، ص ۔۳۶۰) یہ بڑے

امتحان و آزمائش کا موقع تھا' جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں' لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا' چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی۔ (استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی' حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ (سیرت ابن ہشام ذکر غزوہ بدر) پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا۔ مقتول عامر کے بھائی عمر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے قتل کیا۔ قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام کیا' اس کے بھائی شیبہ کو علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے ختم کیا۔ عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مارا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہوگئیں۔ دو انصاری نوجوان معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہ ابوجہل کی تاک میں تھے' نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے جھپٹ کر معوذ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا' ہاتھ شانہ سے لٹک گیا' صرف تسمہ لگا رہ گیا تھا' مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے' لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا اس لیے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ ابوجہل کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی' لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے حلیف تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو نظر بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو مکہ میں اس کے مشق ستم رہ چکے تھے دیکھ لیا۔ انہوں نے انصار کو خبر دی وہ دو طرف سے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بچانے کے لیے امیہ پر لیٹ گئے' لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی فریاد کے مقابلہ میں لوگوں نے ان کی پرواہ نہ کی اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر)

اسیران جنگ سے حسن سلوک: امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے

میدان چھوڑ دیا' مسلمانوں میں کل ۱۴ آدمی شہید ہوئے اور قریش کے بہت سے نامور سردار شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن اسود' امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے اور مشاہیر قریش میں حضرت عباس' عقیل' نوفل' اسود عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے۔ آنحضرتﷺ نے تمام قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا۔ اس پر صحابہ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ (طبری ص ۱۳۳۸) جن کے پاس کپڑے نہ تھے انہیں کپڑے دیئے اس کے بعد آنحضرتﷺ نے اسیران جنگ کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزہ کو قتل کریں۔ آنحضرتﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا۔ جو لوگ ناداری سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے' تو ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں تو وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد اول' ص ۲۴۶)

قریش کا جوش انتقام اور غزوہ سویق : اس جنگ میں بہت سے رؤسائے قریش مارے گئے تھے۔ ان کے بعد ابوسفیان ابن حرب اموی قریش کی مسند ریاست پر بیٹھا۔ عرب کی روایات کے مطابق اس وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا۔ چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے مقتولین کا انتقام نہ لے گا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالے گا۔ دو سو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ پہنچا۔ بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پرتکلف دعوت کی اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا۔ اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلا دیئے۔ آنحضرتﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپﷺ اس کے تعاقب میں نکلے' لیکن

ابوسفیان نکل گیا (ابن سعد ج ۔۲ ص ۔۴۰)

متفرق واقعات : اسی ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عید گاہ میں نماز عید ادا ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوا سو روپے مہر پر کیا اور ایک چارپائی' چمڑے کا گدا' ایک چھاگل' دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے جہیز میں دیئے (ابن سعد ج ۔۸ تذکرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا وزرقانی ج ۔۲ میں اس نکاح کی پوری تفصیل ہے)

غزوہ احد : اگرچہ عریض پر حملہ سے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہوگئی' لیکن جن جن لوگوں کے اعزہ بدر میں قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمد (ﷺ) نے قریش کو تباہ کر دیا ہے ۔ اس کا انتقام ضروری' اس کے اخراجات کے لیے اس مرتبہ کاروان قریش کا منافع ہم کو دلایا جائے ۔ سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ تیاریاں شروع ہو گئیں اور شوال ۶۲۴ء (۳ھ) میں بڑے سروسامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے' آنحضرت ﷺ کو خفیہ اطلاع بھجوا دی ۔ آپ ﷺ نے پتہ چلانے کے لیے آدمی بھیجے' معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے ۔ (ابن سعد ج ۔۲' ص ۔۲۵) دوسرے دن صبح کو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے' لیکن پرجوش نوجوانوں کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر صف آرائی کی جائے ۔ ان کے اصرار پر آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ احد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے بڑھے' عبداللہ بن ابی منافق تین سو سواروں کے ساتھ معیت میں نکلا لیکن پھر عذر لنگ کر کے لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی ۔ احد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری عطا

ہوئی۔ پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا' اس لیے پچاس آدمیوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ فتح و شکست میں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ قریش تعداد اور سروسامان ہر شے میں مسلمانوں سے زیادہ تھے۔ انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی' میمنہ پر خالد بن ولید' میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل' سواروں پر صفوان بن امیہ' تیر اندازوں پر عبداللہ ابن ربیعہ تھے' علم طلحہ کے ہاتھوں میں تھا۔ قریش کی صف سے پہلے ابو عامر (یہ مدینہ کا باشندہ اور کچھ دنوں سے مکہ میں متوطن ہو گیا تھا اور اس کی رندانہ زندگی کی وجہ سے اہل مدینہ پر اس کا بڑا اثر تھا) میدان میں آیا اور پکارا' اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟ انصار نے جواب دیا۔ ''بدکار ہم تجھے خوب جانتے ہیں' اللہ تیری آرزو بر نہ لائے''۔ اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طنزیہ پکارا۔ ''کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' حضرت علی' حمزہ اور ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہم نے اپنے بے پناہ حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ جوش شجاعت میں دور تک دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے' جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا' نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ (بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ ج ۱' ص ۳۸۵)

قریش بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے لیکن علم سرنگوں نہیں ہونے پایا تھا' مگر حضرت علی اور ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہما کے بے پناہ حملوں نے آخر میں پاؤں اکھاڑ دیئے۔ ان کے پاؤں اکھڑتے ہی مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے' جو اب تک اپنی جگہ پر تھے' چند جانبازوں کے ساتھ روکا' مگر سب شہید ہوئے اور خالد نے بڑھ کر لوٹنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بالکل غافل تھے اس لیے

نہیں''۔ (بخاری غزوہ احد ج ۲' ص ۔۵۸۱) چہرہ انور ﷺ سے خون جاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم کو دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اسے زخم میں بھرا' اس سے خون تھما۔ (بخاری غزوہ احد ج ۲' ص ۔۵۸۴) مشرکین کا ریلا رکا تو آپ ﷺ چند جان نثاروں کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھ گئے مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی۔ ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لیے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی۔ محمد (ﷺ) یہاں ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ ابوسفیان نے جواب نہ پا کر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو آواز دی' اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا اس وقت اس نے مسرت میں نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا' بولے' اے اللہ کے دشمن! ہم سب زندہ ہیں' یہ سن کر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا ''اعل ھبل'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے جواب دیا ''اللہ اعلی و اجل'' ابوسفیان پکارا ''لنا العزی ولا عزی لکم'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''اللہ مولانا ولا مولی لکم'' مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہو گئی اور وہ لوٹ گئے۔ اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے' اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ دیئے' ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کو پھولوں کی طرح کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی۔ اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جان فروشی دکھائی' حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ (بخاری ج ۲' ص ۔۵۸۲)

مشرکین کے حملہ کے وقت جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے' آپ کی حفاظت کے لیے حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں' جو مشرک آپ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی

تھیں۔ ابن قمیہ جب آپ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر اس کو روکا' اس روکنے میں ان کا شانہ زخمی ہوا۔ انہوں نے بھی تلوار چلائی' لیکن ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا' اس لیے وار کارگر نہ ہوا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج۔۱ ص۔۶۰ ۴)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں' مشرکین نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہ بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائے' انہوں نے ماں سے کہا وہ بولیں میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں' لیکن راہ للہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت لے کر لاش پر گئیں۔ عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ کر خاموش ہو گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ (طبری ص۔۱۴۲۱) ان سب سے بڑھ کر ایک انصاری خاتون کا واقعہ ہے۔ جن کے باپ' بھائی اور شوہر سب کے سب جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کو یکے بعد دیگرے تینوں حادثوں کی خبر ملی۔ یہ ہر مرتبہ یہی پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا۔ بخیریت' انہوں نے پاس جا کر چہرہ مبارک کو دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں۔ (طبری ص۔۱۴۲۵)

﴿کل مصیبۃ بعدک جلل﴾ تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے۔ اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر گھر میں کہرام بپا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ یہ انسانی فطرت تھی۔ چنانچہ انصار نے آپ ﷺ کا تاثر دیکھ کر اپنی عورتوں کو حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوگ منانے کے لیے بھیجا' لیکن آپ ﷺ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردوں پر نوحہ

کرنا جائز نہیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۸۴)

متفرق واقعات: اسی سال حضرت حسن ؓ پیدا ہوئے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں اور حضرت عثمان ؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی، وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔

مختلف سرایا ۴ ھ

غزوہ احد کے بعد سرایا یعنی چھوٹی چھوٹی فوج کشیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اس کے مختلف اسباب تھے، سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ بت پرست تھا اور اسلام اس کو مٹانے آیا تھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کی مذہبی سیادت سارے عرب میں تھی اور حج کے موقع پر ہر حصہ کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے، قریش ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے، تیسرا سبب یہ تھا کہ اکثر قبائل عرب کے معاش کا ذریعہ لوٹ اور غارت گری تھا۔ اسلام اس کو بھی روکتا تھا اس لئے قبائل کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ اگر اسلام غالب آگیا تو ان کے ذرائع معاش بند ہوجائیں گے، بدر کی کامیابی سے قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تھا اور وہ خاموش ہوگئے تھے لیکن احد کی شکست نے انکا حوصلہ بڑھا دیا اور دفعتۃً بہت سے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے اول محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ابو سلمہ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لیکن حملہ آور منتشر ہوگئے (طبقات ابن سعد ج اول ص ۳۵) اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا، آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا انہوں نے بطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ج اول ص ۲۳۶) صفر ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر

درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے ستر (۷۰) آدمی ساتھ کر دیئے انہوں نے بیر معونہ میں قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت ﷺ کا خط دے کر قبیلہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا' اس نے ان کو قتل کر دیا اور عصیہ' رعل اور زکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھا' مسلمان' حرام کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے' آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا اس نے گھیر کر کل مسلمانوں کو قتل کر دیا' صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا' آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۸۸' ۸۹ میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے) اس زمانہ میں قبیلہ عضل و قارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے ان کی تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے' آپ ﷺ نے دس معلم بھیج دیئے' مقام عسفان میں پہنچ کر غداروں نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا' انہوں نے دوسو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ' ہم تم کو امان دیتے ہیں' سات مسلمانوں نے ان کی امان میں جانا پسند نہ کیا اور لڑ کر جان دیدی' خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ یہ دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے' کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور مکہ لے جا کر فروخت کر دیا' یہ دونوں مشرکین مکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ (بخاری غزوہ رجیع' طبقات ابن سعد غزوہ مذکور)

متفرق واقعات: اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا' آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقد کیا' بعض مورخوں کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ میں حرام ہوئی۔

یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب: انصار بت پرست اور یہود اہل کتاب تھے' اس لئے انصاریوں کے مقابلہ میں ان کو خاص تفوق اور امتیاز حاصل تھا' لیکن مسلمانوں کے مدینہ آنے کے بعد ان کا قدیم وقار گھٹتا جاتا تھا'

انصاریوں کی یہودیت رک گئی تھی اور وہ ان کے قرضوں سے چھوٹتے جاتے تھے' قرآن علیحدہ انکے اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا' اس لئے اب یہود اعلانیہ اسلام کے مقابلہ میں آ گئے' اور آنحضرت ﷺ کو ستانا شروع کر دیا' ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کو "السلام علیک" کی بجائے "السام علیک" کہتے' جس کے معنی ہیں کہ "تجھ کو موت آئے" آپ ﷺ بڑے ضبط و تحمل سے کام لیتے اور حتی الامکان یہودیوں کو ٹھیس پہنچانے سے بچتے' بلکہ ان کی دلجوئی کرتے اور ان معاشرتی امور میں' جن کے بارہ میں قرآن مجید میں کوئی حکم نہ ہوتا' یہود کی موافقت فرماتے' لیکن یہودیوں کو نظر آ رہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی' اس لئے وہ اسلام کی بیخ کنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

مشرکین کی نگاہوں میں اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے ان سے کہتے کہ مسلمانوں سے تو تم اچھے ہو اور خود جھوٹا اسلام قبول کر کے مرتد ہو جاتے' تا کہ اسلام کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں جمنے نہ پائے (قرآن پاک کی اس آیت ویقولون للذین کفروا ھولاء اھدی من الذین امنوا میں اس کی تصریح موجود ہے) اوس و خزرج میں جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست و بازو تھے اور اسلام نے انہیں ملا دیا تھا پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے' ایک آدھ مرتبہ دونوں میں تلواریں نکل آئیں، لیکن عین موقع پر آنحضرت ﷺ نے ٹھنڈا کر دیا' (اصابہ ج اص ۱۸۸) ان کی دشمنی یہاں تک بڑھ گئی کہ مخفی آنحضرت ﷺ کی جان لینے کے درپے ہوئے اور ان کی جانب سے برابر خطرہ لگا رہتا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو اصابہ تذکرہ طلحہ بن براء)

غزوہ بنی قینقاع: اگر چہ یہودیوں نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنا لیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے' تاہم اب تک اعلانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی' ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی' ایک انصاری نے جوش حمیت میں یہودی کو قتل کر

دیا‘ یہودیوں نے انصاری کو مار ڈالا‘ آنحضرتﷺ کو یہ خبر ہوئی‘ تو آپﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو‘ ایسا نہ ہو بدروالوں کی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے“ گو یہود مدینہ سے آنحضرتﷺ کا معاہدہ ہو چکا تھا‘ جو اوپر گزر چکا ہے‘ لیکن اس کے باوجود انہوں نے جواب دیا۔ ”ہم قریش نہیں ہیں ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے“ یہ نقض عہد ایک طرح کا اعلان جنگ تھا اس لئے آنحضرتﷺ نے ان کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کرنے کا فیصلہ کرلیا‘ یہود قلعہ بند ہو گئے‘ آنحضرتﷺ نے محاصرہ کرلیا‘ پندرہ دن کے بعد یہودی آنحضرتﷺ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ آپﷺ نے عبداللہ بن ابی کی تجویز پر سات سو یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور یہ لوگ شام کے علاقہ اذراعات جا کر آباد ہوئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام و ابن سعد غزوہ بنی قینقاع)

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل: مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا با اثر یہودی تھا اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ پرخاش تھی‘ بدر میں قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا‘ چنانچہ اظہار تعزیت کے لئے مکہ گیا تھا اور مقتولین بدر کا نہایت پرزور مرثیہ لکھا تھا‘ اور اس کو پڑھ کر لوگوں کو انتقام پر ابھارتا تھا۔ (سیرت ابن ہشام حالات غزوہ بدر) رسول اللہﷺ کی ہجو کہہ کر قریش کو آپﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا (ابو داؤد باب کیف کان اخراج الیہود) ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام کا حلف دلوایا تھا‘ (تاریخ خمیس ص ۵۱۵) مدینہ میں آنحضرتﷺ کی ہجو کہہ کر سناتا تھا‘ آپ کو خفیہ نقصان پہنچانے یا شہید کرنے کی سازش کی (ابن واضح کاتب عباسی کے الفاظ یہ ہیں ارادان بمکر برسول اللہﷺ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹) اس کی ان فتنہ انگیزیوں پر آنحضرتﷺ سے صحابہ نے شکایت کی‘ رؤسائے اوس نے قتل کی رائے دی‘ چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کے سپرد ہوئی انہوں نے اس کے گھر جا کر بلطائف الحیل میں اس کو قتل کر

ڈالا۔(بخاری میں اس واقعہ کی تفصیل ہے)

آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش: عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا' اس کا خون بہا یہودی قبیلہ بنی نضیر کے ذمہ تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کے مطالبہ کے لئے تشریف لے گئے' بنی نضیر نے خون بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا' لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا' آپ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا اس لئے آپ ﷺ بچ کر لوٹ آئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۹۳) چند دنوں کے بعد آپ ﷺ نے بنی قریظہ کے یہودیوں سے معاہدہ کی تجدید کی' بنی نضیر سے بھی تجدید کرنی چاہی' مگر وہ راضی نہ ہوئے (ابوداؤد و کتاب الخراج والامارۃ خبر النضیر) اور آپ ﷺ کو تین آدمیوں کے ساتھ اپنے علماء سے مناظرہ کرنے کے لئے بلا بھیجا' اگر یہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم بھی لے آئیں گے' آپ ﷺ نے منظور فرمالیا' راستہ میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود نے اس بہانہ سے قتل کے لئے بلایا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵)

غزوہ بنی نضیر: ان پیہم مخالفتوں کی بنا پر آپ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا' یہ اس غلط فہمی میں تھے کہ بنی قریظہ ان کا ساتھ دیں گے' لیکن وہ معاہدہ کر چکے تھے اور اعلانیہ حمایت نہیں کر سکتے تھے اس لئے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا اور اپنا مال و متاع ساتھ لے کر خیبر آباد ہوئے۔ (طبری ص ۱۴۵۲) پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا سامنا تھا' اب یہود بھی حریف بن گئے' اور دونوں نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی اور سب نے اپنی اپنی جگہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں' پہلے انمار و ثعلبہ نے پیش قدمی کی آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ محرم ۵ ھ میں چار سو صحابہ ﷺ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے' انمار و ثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے اس لئے پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ (ابن سعد غزوہ ذات الرقاع) اس کے بعد ربیع الاول ۵ ھ مذکور

میں کفار نے دومتہ الجندل میں اجتماع کیا‘ آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے‘ یہ بھی منتشر ہو گئے۔

غزوہ بنی مصطلق: خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا‘ ان دونوں میں باہم قرابت داریاں بھی تھیں‘ اس لئے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا‘ اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر مقام مریسیع میں آباد تھی‘ اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ (ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵‘۴۶‘۹ اس لئے آنحضرت ﷺ شعبان ۵ھ میں مدافعت کے لئے نکلے‘ حارث بھاگ گیا لیکن مریسیع کی آبادی نے مقابلہ کیا‘ مسلمانوں نے شکست دی اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (ابن سعد حصہ مغازی)

مریسیع کے معرکہ میں مال غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے‘ جو ہر موقع پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے‘ ایک دن چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا‘ دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو آواز دی‘ فریقین کی تلواریں نکل آئیں‘ چند آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا‘ اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا اس نے انصار سے کہا۔ ”تم نے یہ بلا خود مول لی ہے‘ مہاجرین کو تم نے اتنا سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں‘ اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو یہاں سے چلے جائیں گے‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گئے‘ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا‘ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا! تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (بخاری ج ۲، ص ۲۸) عبداللہ کے لڑکے مسلمان ہو چکے تھے‘ اور اسلام کے سچے شیدائی تھے انہیں خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ ”دنیا

جانتی ہے کہ میں والد کا کتنا اطاعت گذار ہوں، لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے میں جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں اور میں محبت اور غیرت کے جوش میں قاتل کو قتل کر دوں" آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ میں قتل نہ کروں گا بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا۔ (طبری ص ۱۵۱۵)

افک: افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے کا واقعہ غزوہ مریسیع میں پیش آیا لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کر دی ہے۔

غزوہ احزاب: اوپر گزر چکا ہے کہ معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ مسلمانوں کی مخالفت میں بنی نضیر سے الگ تھے، لیکن پھر چند دنوں کے بعد رؤسائے بنی نضیر کی کوششوں سے وہ ان سے مل گئے اور ۵ھ میں انہوں نے بنی نضیر، بنی قریظہ، قریش اور بہت سے قبائل کو جمع کر کے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کی، (تفصیل کے لئے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۲ ق ا ص ۴۷، وفتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱) آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے، اتحادیوں نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا، کہ مسلمانوں پر کئی فاقے گزر گئے، ایک دن بےتاب ہو کر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پیٹ کے پتھر دکھائے، آپ ﷺ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا اٹھایا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی) جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی تو آپ نے جماعت صحابہ کو خطاب فرمایا کہ "کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے" اس کے جواب میں صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی، اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا۔ چند دنوں تک کنار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے، جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتاً کم چوڑی تھی، گھوڑے کو ایڑ لگا کر پار کر گئے، خندق کے پار پہنچ کر عمرو بن عبدود نے مبارزطلبی کی،

حضرت علی ﷺ نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا' (ابن سعد ج ۴ ق ۲ حالات خندق) اس کے بعد ضرار اور جبیرہ ہمت کر کے آگے بڑھے لیکن پھر ڈر کے پیچھے ہٹ گئے' نوفل خندق میں گر پڑا حضرت علی ﷺ نے کود کر اس کو بھی ختم کر دیا' دن بھر لڑائی رہی' آنحضرت ﷺ کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا' جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا' اہل مدینہ سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی اس لئے کہ دس ہزار کی فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا' اسی درمیان میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی نے' جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے' قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوا دی' (تفصیل کے لئے دیکھئے ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۲۰'۲۱) کفار چند در چند دشواریوں میں پھنس گئے اور قریش آپس کی نا اتفاقی' موسم کی ناسازگاری اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے' چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہہ کر سامان رسد ختم ہو چکا ہے' یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے' موسم ناخوشگوار ہے' ان حالات میں محاصرہ بے کار ہے' محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا' قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا' (ابن سعد ج ۴ ق ۲ حالت خندق) اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا' صرف ایک صحابی حضرت سعد ﷺ بن معاذ زخمی ہوئے جو زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور غزوہ بنی قریظہ کے بعد انتقال کر گئے' اس جنگ کا نام غزوہ خندق یا احزاب ہے۔

بنی قریظہ کا خاتمہ: بنی قریظہ نے معاہدہ کے خلاف جنگ احزاب میں شرکت کی تھی اس میں شکست اور واپسی کے وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہاں لیتے گئے تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۶ و طبری ج ۳ ص ۱۴۸۷) اس لئے غزوہ احزاب کے بعد آنحضرت ﷺ بنی قریظہ کی طرف بڑھے' اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی' لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب پہنچے تو بنی قریظہ نے

آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینی شروع کیں۔ (طبری ص ۱۴۸۵) اس لئے آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا' ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا آخر میں بنی قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذ (جو ابھی زندہ تھے) جو فیصلہ کردیں وہ ہم کو منظور ہے' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کردیئے جائیں' عورتیں اور بچے گرفتار کرلئے جائیں اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا جائے۔ یہ فیصلہ توریت کے حکم کے مطابق تھا اس لئے یہودیوں کو چاروناچار قبول کرنا پڑا۔ (طبری ص ۱۴۸۷ و ۱۴۹۲) توریت کا حکم یہ ہے اگر دشمن صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا ان پر تجھ کو قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے' باقی بچے عورتیں' جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔ (کتاب تثنیہ الصحاح ۲۰ آیت ۱۰) اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی' جن میں دوران محاصرہ کے مقتولین بھی شامل ہیں' قتل کیے گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح: اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' آنحضرت ﷺ نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کیلئے زینب کا عقد اپنے غلام اور متبنی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن دونوں کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ نبھ سکی اس لئے زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا' آنحضرت ﷺ نے روکا مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی' اس لئے زید نے آخر میں طلاق دے دی' عرب میں متبنی بیٹوں کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس خیال کو مٹانے اور زینب کی دلجوئی کیلئے خود ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ (اس کی تفصیل حدیث کی قریب قریب تمام کتابوں میں ہے۔)

پردہ کا حکم: اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں اور

بے باکانہ چلتی تھیں، اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ ''شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر منہہ چھپا کر سینہ پر آنچل ڈال کر نکلیں، چلنے میں اٹھکیلیاں نہ کریں، پردے کی اوٹ سے بولیں، آواز میں بناوٹ نہ پیدا کریں۔'' ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں، اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت اور صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا۔ (یہ احکام سورہ نور میں واقعہ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئے، تفصیل کیلئے بخاری ج ۲ص ۷۰۷ و ابو داؤد ج ۲ص ۲۱۲ و فتح الباری ج ۲ص ۱۰۲)

عمرہ: چھ برس سے جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے انہوں نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا، اس لئے ذوالقعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی تھی کہ احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے (سیرت ابن ہشام ج ۲ص ۱۶۰) اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ ساتھ ہو وہ بھی نیام کے اندر، ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں، قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کو روکنے کیلئے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور پیغام بھیج کر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لئے جمع کیا اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کیلئے بھیجا، انہوں نے جا کر قریش کو خبر کر دی کہ مسلمان عمیم تک پہنچ چکے ہیں ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھ کر حدیبیہ میں ٹھہرے۔

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان: قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا، اس کے رئیس بدیل نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں

آئے ہیں' بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ (ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰) بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لئے معاہدہ کرلیں اور اگر وہ اس پر راضی نہیں ہیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے' میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہ ہوجائے اور اللہ اپنا فیصلہ پورا نہ کردے' بدیل نے مکہ جا کر قریش کو یہ پیغام سنانا چاہا' ناآزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے' لیکن تجربہ کاروں نے آمادگی ظاہر کی' بدیل نے آنحضرت ﷺ کا پیام اور آپ ﷺ کے شرائط سنائے' یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا' محمد ﷺ نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں' مجھ کو اجازت دو میں خود جا کر معاملہ طے کرآؤں' قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا اس لئے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا محمد ﷺ فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کردیا تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں برباد کردیا ہو۔'' عروہ ضروری گفتگو کرکے لوٹ گئے، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی، قریش کو سنائی۔

بیعت رضوان: اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو بھیجا، قریش نے ان کو قتل کر ڈالنا چاہا، مگر ان کے قبیلہ کے دو آدمیوں نے بچالیا (ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۱) خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کیلئے ایک دستہ بھیجا، مگر وہ گرفتار کرلیا گیا آنحضرت ﷺ نے درگزر سے کام لے کر اسے رہا فرمادیا' قریش کی مخالفانہ روش کے باوجود آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی اور دوبارہ حضرت عثمان ؓ کو قریش کے پاس بھیجا' انہوں نے آپ کو روک لیا' مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان ؓ قتل کردیئے گئے' آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا' آپ ﷺ نے قصاص کیلئے صحابہ ؓ سے

جانبازی کی بیعت لی۔ (بخاری کتاب الشروط و المصالح مع اہل الحرب میں ان واقعات کی پوری تفصیل ہے) اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی۔ اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے' اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا' ان میں اور مسلمانوں میں ردوقدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی۔

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے لوٹ جائیں گے۔

۲۔ اگلے سال آئیں گے' اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں گے' صرف تلواریں ساتھ ہوں' وہ بھی نیام میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور جو مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے گا اسے قیام سے نہ روکیں گے۔

۵۔ اہل مکہ میں یا مکہ کے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے چاہیں ساتھ ہو جائیں۔

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے' کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کی فرودگاہ پر پہنچ گئے اور انہیں دیکھ کر ان کے باپ نے کہا محمد ﷺ! پابندی عہد کا یہ پہلا موقع ہے آپ ﷺ نے فرمایا معاہدہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے' سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں' آنحضرت ﷺ نے خوش اسلوبی کے ساتھ سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی' مگر وہ نہ مانا' آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر ابو جندل کو حوالہ کر دیا' انہوں نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم سے پڑ گئے تھے' مسلمانوں سے فریاد

کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کرتے ہو؟ مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے' لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا' صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔

(بخاری کتاب الشروط والمصالح مع اہل الرجب)

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح سے تعبیر کیا اور سورہ انا فتحنا لک فتحا مبینا نازل ہوئی' کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی' صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلک رہتے تھے' اس کے بعد دونوں میں میل جول اور آمدورفت شروع ہوئی' ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا' اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خودبخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا' چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

(بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب)

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلوخلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی' لیکن اللہ نے بلاشرط ان کے لیے راستہ کھول دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابوبصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے' قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کے مطابق انہیں حوالہ کر دیا۔ راستہ میں ابوبصیر نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا۔ اس کے عقب سے ابوبصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ ''آپ ﷺ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا' اب آپ ﷺ کی ذمہ داری ختم ہو گئی'' یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے۔ اس سے دوسرے مسلمانوں کے لیے راستہ کھل گیا۔ چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور جب ان کا اچھا خاصا جتھا بن گیا اس وقت انہوں نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا'

چھاپہ مارنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی۔ آخر میں قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ ہم گزشتہ شرط سے باز آئے، جو مسلمان مدینہ میں رہنا چاہے وہ جا سکتا ہے، اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا۔

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج: صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے ۶ ھ میں قیصر روم، کجکلاہ ایران، عزیز مصر، نجاشی شاہ حبش، رؤسائے یمامہ والی حدود شام، حارث غسانی، شرجیل بن عمرو والی بصریٰ کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبی، عبداللہ بن حذافہ سہمی، عمرو بن امیہ ضمری، سلیط بن عمرو، شجاع بن وہب اور حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ قیصر روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اگر اس کے حدود سلطنت میں عرب کا کوئی شخص مل جائے تو اسے حاضر کیا جائے، اتفاق سے اس وقت ابوسفیان جو تجارت کے سلسلہ میں شام آئے ہوئے تھے، موجود تھے۔ چنانچہ انہیں لے جا کر پیش کیا گیا۔ قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرت ﷺ کے متعلق چند سوالات کیے۔ ان میں جھوٹ بولنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے ابوسفیان نے صحیح جوابات دیئے۔ یہ جوابات سن کر قیصر کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس نے ابوسفیان سے کہا کہ "اگر تمہارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت ﷺ) کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر (ﷺ) آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہوگا۔ اگر میں اس تک پہنچ سکتا تو ان کے قدم دھوتا۔" قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع میں اسلام کی دعوت سے محروم رہ گیا۔ (یہ واقعہ بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے۔)

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرز تحریر کے مطابق اللہ کے نام کے بعد اور مرسل الیہ کے نام سے پہلے، فرستندہ کا نام تھا، خسرو پرویز کجکلاہ ایران اس طرز تحریر سے آشنا

نہ تھا' اس لیے اسے اپنی تحقیر سمجھ کر سخت برہم ہوا اور کہا "میرا غلام مجھے یوں لکھتا ہے"۔ اور نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیج دو"۔ اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے جا کر کہا کہ "تم کو شہنشاہ عالم نے طلب کیا ہے۔ اگر اس کے حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر ڈالے گا"۔ شہنشاہ دو عالم ﷺ نے جواب دیا' جا کر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔ (ابن سعد ج۔ا' ص۔۱۱۶' ق۔ او طبری ج۔۳' ص۔۱۵۷۲) ابھی یہ دونوں سفیر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خود خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔ مقوقس عزیز مصر نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا' میں نے آپ (ﷺ) کے قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا' آپ کے لیے قبطی دو لڑکیاں' لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں۔ (طبقات ابن سعد ج۔ا' ق۔۲' ص۔۱۶' ۱۷) شاہ حبش نجاشی کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آیا اور اس کو آنکھوں سے لگا کر' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر جو ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئے تھے' اور اب تک وہیں مقیم تھے' اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں (ابن سعد ج۔ا' ص۔۱۱۶' ق۔ او طبری ج۔۳' ص۔۱۵۷۲) شرجیل والی بصریٰ نے آپ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا' اسی سنہ میں قریش کے نامور اشخاص خالد بن ولید فاتح عراق و شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے۔

غزوہ خیبر ۷ھ: عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہود ابتداء ہی سے اسلام کے خلاف تھے۔ بنی نضیر نے خیبر جلاوطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو بھڑکانا شروع کیا' قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا' جو یہود خیبر کا حلیف و ہم عہد تھا۔ سلام بن ابی الحقیق نے جو حیی بن اخطب کے بعد

اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ چنانچہ آپ ﷺ محرم ۷ھ میں سولہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے' مقام رجیع میں عورتوں اور بار برداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوئے' راستہ میں غطفان ہتھیار لگا کر نکلے' لیکن یہ دیکھ کر خود ان کا گھر خطرہ میں ہے' لوٹ گئے۔ (طبری ص ۱۵۷۵) خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے ان میں بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے' عرب کا نامور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا' مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیوں نے سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا' اور فوجیں نطاۃ اور قموص میں تھیں' اس لئے مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا' لیکن یہاں کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی اس لئے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام غزوہ خیبر) اور چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہو گئے' سب سے اہم قموص کا قلع تھا' مرحب اسی میں رہتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسکے لئے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ کو اس مہم پر مامور فرمایا' لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا' دوسرے دن حضرت علی ؓ کو علم مرحمت فرمایا' مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا' حضرت علی ؓ نے اسے قتل کر دیا۔ اسکے قتل ہوتے ہی یہودیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ (بخاری غزوہ خیبر و ابن سعد غزوہ خیبر) اس معرکہ میں ۹۳ یہودی اور بیس مسلمان مقتول ہوئے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا' یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں' ہم اسکے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کریں گے' آنحضرت ﷺ نے منظور فرمالیا' جب بٹائی کا وقت آتا رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کو بھیجتے' وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے کہ جو حصہ چاہے لے لو' یہودیوں پر اسکا یہ اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷ و طبری ص ۱۵۸۹) اس جنگ میں

رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پڑی تھیں' لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جاسکتی' رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے' ان کے اعتراض پر آپ ﷺ نے ان کو آزاد کرکے اپنے عقد میں لے لیا۔ (صحیح مسلم باب فضل عتق الامتہ ثم التزوج بہا' ابوداؤد باب ماجاء فی سہم الصفی ۹)

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں' سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے بہت کم نوش فرمایا تھا' اس لئے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا' لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براء رضی اللہ عنہ ہلاک ہوگئے' اس لئے آپ ﷺ نے ان کے قصاص میں زینب کو قتل کرادیا۔ غزوہ خیبر کے سلسلہ میں متعدد احکام جاری ہوئے' درندے' جانور' پنجہ والے پرندے' گدھا اور خچر حرام قرار پائے' لونڈیوں سے تمتع کے لئے استبراء یعنی چند دنوں تک توقف کی قید ہوگئی' چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا۔

وادی القریٰ: خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے' یہودی اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئے اور تیر برسا کر آنحضرت ﷺ کے غلام مدعم رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا' اس لئے جنگ ہوئی' لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط پر صلح کرلی۔ (بیہقی باب الجہاد ذکر غلول)

ادائے عمرہ: اسی سال آنحضرت ﷺ عمرہ کیلئے مکہ تشریف لائے اور صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ میں داخل ہوئے' کفار مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کرکے پہاڑوں پر چلے گئے' آنحضرت ﷺ تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کرکے مدینہ واپس تشریف لائے "رمل" کی سنت اسی عمرہ میں جاری ہوئی۔

غزوہ موتہ ۸ھ: اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قاصد حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر کو شرجیل والی بصریٰ نے قتل کردیا تھا' آپ کو اس کا بہت صدمہ تھا' لیکن یہودیوں کی

مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا' ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہ ؓ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارث بن عمیر ؓ کے انتقام کے لئے بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر ؓ امیر ہوں' وہ شہید ہوں تو عبداللہ ؓ بن رواحہ' شرجیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر دی' وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا' زید بن حارثہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دینے کا قصد کیا لیکن عبداللہ بن رواحہ ؓ نے روک دیا' کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے اور وہ ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے' چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ میں آیا' اس تناسب کے باوجود مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا' لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا، زید ؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے' ان کے بعد حضرت جعفر ؓ نے علم سنبھالا' انہوں نے بھی جام شہادت پیا' ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ ؓ نے علم لیا' یہ بھی مرتبہ شہادت پر سرفراز ہوئے' سب سے آخر میں خالد بن ولید ؓ کے ہاتھوں میں علم آیا' یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقی ماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت جعفر ؓ کی شہادت کا سخت قلق ہوا' ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

فتح مکہ ۸ھ: اب تک جو واقعات پیش آئے وہ درحقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے آنحضرت ﷺ کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو' جو دنیا میں توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا' بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا' لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا' صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے' لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے' حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور اسکے حریف بنی بکر قریش کے معاہد ہو گئے تھے مگر از روئے معاہدہ

فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا‘ لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت میں قریش نے اس کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا‘ (طبری ص ۱۶۲۰ و ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۷) بنی خزاعہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لے کر آئے‘ آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں‘ ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ یہ شرطیں سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمر نے کہا ”ہم کو تیسری شرط منظور ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۳۲) لیکن پھر آنحضرت ﷺ کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی‘ انہوں نے ابو سفیان کو فوراً تجدید معاہدہ کیلئے مدینہ دوڑایا‘ لیکن اب آنحضرت ﷺ کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا آپ ﷺ کا ضروری فرض تھا‘ اسلئے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی‘ ابو سفیان نے آپ ﷺ سے مایوس ہو کر ابو بکرؓ و عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا‘ ان کے انکار کرنے پر حضرت علیؓ کے مشورہ سے حرم میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا۔ زرقانی ج ۲ ص ۳۳۷)

ابو سفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تطہیر حرم کی تیاریاں شروع کر دیں اور رمضان ۸ھ میں دس ہزار فوجوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے‘ راستہ میں معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے قریب پہنچ کر مکہ سے ایک منزل ادھر مرظہران میں مسلمانوں نے منزل کی اور ان کے دستے دور دور تک پھیل گئے قریش مسلمانوں کی روانگی کی خبر سن چکے تھے‘ انہوں نے تحقیقات کے لئے ابو سفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا‘ یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے‘ ابو سفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑی وہ اس کے رفیق تھے‘ اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے‘ لیکن خیمہ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا‘ حضرت عمرؓ کی نظر بھی پڑ گئی وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے‘ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کفر کے استیصال کا وقت آ گیا' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ آڑے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی جان بخشی کرا دی۔

اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے' اسلام کی عداوت' مدینہ پر بار بار حملہ' قبائل عرب کے اشتعال' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش' ان میں سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا' لیکن رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی' تمام گناہوں پر خط عفو پھیر دیا' پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر و ضلالت پر قائم رہا' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ڈرانے سے کلمہ توحید پڑھ لیا اور وہ سر پر غرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا۔ آستان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر خم ہو گیا۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ فتح مکہ و ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵ میں اس کی پوری تفصیل ہے)

اس کے بعد افواج اسلامی کا سیلاب مکہ کی طرف بڑھا' ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو افواج الٰہی کا نظارہ کرانے کے لئے ایک بلند مقام پر بھیج دیا' تمام قبائل کے پرچم یکے بعد دیگرے گزرتے تھے' ابوسفیان افواج اسلامی کی ہیبت سے سہا جاتا تھا' سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے' جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کئے گئے تھے۔

قریش میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی' ان کو جانوں کے لالے پڑ گئے' لیکن رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخلہ کے وقت ہی مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں اور مکہ میں داخلہ کے بعد اعلان عام کر دیا کہ جو شخص حرم میں چلا جائے گا یا دروازہ بند کر دے گا یا ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے گا' وہ مامون ہے۔ (سیرت ہشام ج ۲ ص ۲۳۵' ۲۳۸ دوسری کتابوں میں ان کے علاوہ بعض صورتوں کو بھی امن و جان بخشی کا ذریعہ بنایا)

صرف چند خیرہ سروں نے معمولی سی مزاحمت کی جن میں دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار

مقتول ہوئے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ ''حرم کعبہ'' میں گئے' اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے' آنحضرت ﷺ نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان ذهوقا (بخاری باب فتح مکہ) خاص خانہ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے' سب نکال دیئے گئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں' شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز شکرانہ ادا فرمائی' اسکے بعد جابران قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲) جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں تھا۔

''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' اسکا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا' ہاں آج تمام مفاخر سارے انتقامات و خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔''

''اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا' تمام انسان آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے''۔ اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم ان الله علیم خبیر﴾ ''لوگو میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے' اللہ تعالیٰ جاننے والا اور واقف کار ہے۔ ﴿ان الله و رسوله حرم بیع الخمر﴾

(بخاری) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب کی خرید وفروخت حرام کر دی ہے۔ خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے' ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرکردہ تھے' وہ بھی تھے جو پیکر اقدس کے سامنے طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے' وہ بھی جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے' وہ بھی تھے جنہوں نے غریب مسلمانوں کو مشق ستم بنایا تھا' وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازشیں کی تھیں آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا' کچھ معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں اگرچہ یہ سرکش تھے' گمراہ تھے' اسلام کے دشمن تھے' لیکن مزاج شناس تھے بول اٹھے ''اخ کریم و ابن اخ کریم'' تو شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہے فرمایا ﴿لا تثریب علیکم الیوم اذھبو فانتم طلقاء﴾ (بخاری فتح مکہ باب مقام النبی بمکتہ) تم پر کوئی مواخذہ نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو' چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دے دی۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال ؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی' قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی' لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی' چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہوگئی اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا' خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا میں باقی نہ رکھا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲) تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آنحضرت ﷺ کے عفو عام نے اکثروں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی' اس لئے صدہا پر غرور سر آستان اسلام پر خم ہوگئے' آنحضرت ﷺ مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے اور کنار جوق درجوق آ کر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل ؓ کو نومسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

غـزوہ حـنین: فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا‘ اگر چہ فتح مکہ نے جبابرانِ قریش کی قوت توڑ دی تھی اور اس کے بعد قبائل عرب نے عام طور پر خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا‘ لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا‘ ان میں ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے‘ اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہو رہا تھا‘ اس لئے دونوں قبیلوں کے اشراف نے جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کی جائے مسلمانوں کو اب تک جن قبائل سے واسطہ پڑا ہے‘ وہ اس میدان کے مرد نہ تھے اور قبل اس کے کہ وہ ہماری طرف رخ کریں‘ ہمیں بڑھ کر حملہ کر دینا چاہیئے‘ اس قرارداد کے بعد وہ مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے‘ جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج میں قدم نہ اکھڑنے پائیں۔آنحضرت ﷺ کو ان کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن مدرد کو تحقیقات کے لئے بھیجا‘ انہوں نے حنین جا کر خفیہ تحقیقات کیں تو واقعہ صحیح نکلا‘ اس لئے آنحضرت ﷺ شوال ۸ھ میں بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر بڑے سروسامان کے ساتھ حنین روانہ ہوئے‘ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ میں نکلے‘ چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟

حنین پہنچ کر فریقین میں مقابلہ ہوا‘ بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے‘ لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے‘ مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہیں ہوئی تھی‘ کہ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے‘ مشرکین کو موقع مل گیا‘ انہوں نے تیر بازی شروع کر دی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۶) مسلمانوں کی فوج میں بہت سے مکہ کے مولفتہ القلوب نومسلم بھی تھے‘ جو دل سے شریک نہیں تھے‘ انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا‘ (بخاری غزوہ حنین) اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے‘ اور وہ اس بری طرح سے منتشر ہوئے کہ آنحضرت

ﷺ کے پاس بھی صرف چند جان نثار باقی رہ گئے' لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ رہا اور انصار کو آواز دی' جواب میں آواز آئی ہم حاضر ہیں'' اس نازک حالت میں آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں' (طبری ج ۳ ص ۱۶۶۰ و بخاری غزوۃ النسا مع الرجال) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا' ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا' کفار ان کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے' بنی مالک نے استقلال دکھایا لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انہیں بھی میدان چھوڑ دینا پڑا' جو باقی رہ گئے وہ زندہ گرفتار ہوئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اوطاس: حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس اور کچھ طائف میں جمع ہوئے۔ ہوازن کا رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا' اس لئے حنین سے واپسی میں آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا' درید کے لڑکے نے ابو عامر کو قتل کر کے علم اسلام پر قبضہ کر لیا' یہ حالت دیکھ کر ابو موسیٰ اشعری نے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا اور علم واپس لے لیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹)

طائف کا محاصرہ: بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف میں آباد تھی جو اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز تھی' طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا' اس لئے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا' اور اہل شہر سے مل کر سامان رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ و ابن سعد غزوہ اوطاس) اس لئے حنین سے فراغت

کے بعد آنحضرت ﷺ نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا' اور خود طائف تشریف لے گئے' اور اس کا محاصرہ کرلیا' بیس دن محاصرہ قائم رہا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی اسلئے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھالیا۔

تقسیم غنائم: طائف سے جعرانہ تشریف لائے' حنین کے مال غنیمت میں بیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی بھی تھے' جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیوں کے بارے میں کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا جب کوئی چھڑانے نہیں آیا' تو آپ ﷺ نے شرعی اصول کے مطابق کل مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کردیا اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانوں کو' جن میں زیادہ تر شرفائے مکہ تھے عطا فرمایا' اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہو گئی اور انہوں نے غائبانہ کہا کہ قریش کو مال غنیمت ملتا ہے اور ہم' جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہیں' بعضوں نے کہا مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت کے وقت دوسروں کو یاد کیا جاتا ہے۔ (بخاری غزوہ طائف) آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا' انہوں نے عرض کی کہ ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا' ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے' کچھ لوگوں نے اقرار کیا' آپ ﷺ نے ان کا ملال خاطر دور کرنے کے لئے خطبہ دیا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی' تم منتشر اور پراگندہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا' تم مفلس تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند بنایا۔" انصار ہر ہر ارشاد پر کہتے جاتے تھے "اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ (بخاری غزوہ طائف) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ محمد ﷺ جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی' جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا' اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی' تو اپنے یہاں سے مفلس

آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی' تم یہ کہتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا' ہاں تم سچ کہتے ہو' لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔'' یہ سحر آفرین خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں' اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں' اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں' ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لئے۔ یہ واقعات بخاری میں مجمل اور فتح الباری میں بہ تفصیل ہیں)

حنین کے مال غنیمت کے سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن (غالباً حضرت حلیمہ رضی اللہ عنھا کی لڑکی شیما) بھی تھیں' یہ جب گرفتار ہوئیں تو انہوں نے کہا' میں تمہارے پیغمبر کی رضاعی بہن ہوں' لوگ تصدیق کے لئے آپ ﷺ کے پاس لائے' شیماء نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک مرتبہ بچپن میں آپ ﷺ نے دانت سے کاٹا تھا' یہ اس کا نشان ہے' یہ سن کر فرط محبت میں آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' ان کے بیٹھنے کے لئے کو اپنی ردائے مبارک بچھائی' لطف و محبت کی باتیں کیں' چند اونٹ اور بکریاں عطا کیں اور ارشاد فرمایا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے، شیما نے گھر جانا پسند کیا' آپ ﷺ نے عزت و احترام کے ساتھ بھجوا دیا۔ (طبقات ابن سعد و طبری ج ۳ ص ۱۶۶۸) اسی سال آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ﷺ پیدا ہوئے اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوا۔

غزوہ تبوک: رجب ۹ھ (۶۴۵ء) میں غزوہ تبوک پیش آیا' تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے' یہ رومیوں کی حکومت میں تھا' روم اور عرب کے سرحدی علاقے پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے' شرجیل والی بصریٰ بھی انہی سرداروں میں تھا، جنگ موتہ کے بعد ہی رومیوں نے عرب پر حملہ کا

ارادہ کرلیا تھا‘ اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا‘ اور رومی حکومت کے ماتحت حاکم تھا‘ اس مہم پر مامور کیا تھا‘ اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں اسی زمانہ میں شام کے نبطی سوداگروں نے جو مدینہ آیا کرتے تھے‘ اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے اور اس کا مقدمتہ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے‘ (زرقانی ج ۳ ص ۶۷) یہ بھی افواہ پھیل گئی‘ کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر ہرقل نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔ چونکہ رومیوں کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا اسلئے ان خبروں کے یقین کرنے میں تامل نہ ہوا اور آنحضرت ﷺ رجب ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ‘ جس میں دس ہزار سوار تھے‘ شام روانہ ہوئے‘ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں‘ تاہم آپ ﷺ نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا‘ ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ میں کیا‘ آپ ﷺ نے اس کو ایک رداء عطا فرمائی‘ (زرقانی ج ۳ ص ۶۷) جرباء اور اذرح کے عیسایوں نے بھی آ کر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی‘ دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر قیصر کے ماتحت تھا، اس کی جانب سے خطرہ تھا‘ اس لئے آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومتہ الجندل بھیجا‘ خالد نے اسے گرفتار کرلیا‘ اکیدر مصالحت کیلئے آمادہ ہو گیا‘ خالد نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے‘ بیس دن تبوک میں قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو جن کی جانب سے خطرات تھے مطیع بنا کر مدینہ واپس تشریف لائے‘ یہیں اکیدر حاضر خدمت ہوا اور آپ ﷺ نے اسے امان نامہ عطا فرما کر واپس کر دیا۔ (یہ حالات ابن سعد اور طبری میں ہیں)

حج اور اعلان براءت: مکہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا‘ لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام میں حج ادا ہوا تھا‘ اس لئے غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت علی ؓ کو منصب نقابت (بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف عریان) تفویض ہوا' قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے' اسلئے یہ پہلا موقع تھا' کہ جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے اور خانہ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور دور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں' مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکر ؓ نے لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی' قربانی کے دن خطبہ میں مسائل حج بیان کئے' حضرت علی ؓ نے سورۃ برات کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا' نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے کیے ہیں ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد ٹوٹ جائیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۹۹) اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال مقرر ہوئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲) اور سود حرام قرار پایا۔

مختلف اغراض کے لئے چھوٹے چھوٹے سرائے: مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مختلف اوقات میں بکثرت چھوٹے چھوٹے مسلح دستے عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے' انہیں اصطلاح میں ''سرایا'' کہا جاتا ہے' ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستوں سے تعبیر کرتے ہیں' جو صحیح نہیں ہے یہ دستے مختلف ضروریات کے لئے بھیجے جاتے تھے' مثلاً۔

۱۔ دشمنوں کی نقل و حرکت کی سراغ رسانی کے لئے۔

۲۔ دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے۔

۳۔ امن و امان قائم کرنے کے لئے۔

۴۔ اشاعت اسلام کے لئے انہیں تاکید کر دی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لیں۔

(۱) پہلی قسم کے سرایا میں' عبداللہ بن جحش کا سریہ تھا' جسے آپ نے ۲ھ میں مکہ کی

طرف بھیجا تھا' اس میں صرف بارہ آدمی تھے' اور ایک خط دے کر ہدایت فرما دی تھی کہ دو دن بعد اسے کھولنا'' دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا' کہ برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کے قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو' اور ان کی خبریں معلوم کرو۔ (طبری جلد ۱ ص ۱۲۷۴)

(۲) دوسری قسم' یعنی مدافعت کے سرایا میں سریہ غطفان ۳ھ' اسکا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کی اک جماعت ذی امر میں حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے' اسلئے آپ ﷺ نے ایک مختصر جماعت مدافعت کیلئے روانہ فرمائی

(طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۳)

سریہ ابوسلمہ ۲ھ طلحہ اور خویلد کے مقابلہ کے لئے' جن کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے تنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں' بھیجا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۵) سریہ عبداللہ بن انیس ۳ھ' یہ ابوسفیان بن خالد کے جتھے کو' جو مخالفانہ جمع ہوا تھا' منتشر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا' غزوہ ذات الرقاع ۵ھ میں اس لئے ہوا تھا کہ ایک جاسوس نے اطلاع دی تھی کہ انمار و ثعلبہ کے قبیلے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے فوج جمع کر رہے ہیں' سریہ دومتہ الجندل ۵ھ میں اس لئے گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ دومتہ الجندل میں ایک بڑا گروہ مدینہ پر حملہ کے لئے جمع ہوا ہے' (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ق اول ص ۲۳) غزوہ مریسیع ۵ھ کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کو جو اس کے قابو میں تھے' رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی دعوت دی تھی (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۴) سریہ فدک علی بن ابی طالب ۶ھ یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لئے' جو یہود خیبر کی مدد کے لئے فدک میں جمع ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص

۴۵)روانہ کیا گیا تھا'سریہ بشیر بن سعد ۷ھ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ غطفان کا اک گروہ مقام جناب میں جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۴) سریہ ذات السلاسل ۸ھ عمرو بن العاص' یہ قضاعہ کے مقابلہ کے لئے' جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے' بھیجا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۸۷)

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا' قریش کا مایہ غرور ان کی تجارت تھی' اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا' اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی' تاکہ قریش مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دے دیں' یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے' چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دیدی تو ان سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اگرچہ ان سے مقصود صرف قریش کو دھمکانا تھا لیکن اس سلسلہ میں کبھی کبھی تصادم بھی ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب میں ہمیشہ جنگ وجدال کا سلسلہ برپا رہا' ان کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے' تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لیے جاتے تھے اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا' اس لئے آنحضرت ﷺ بدامنی کی خبر سن کر ان کے انسداد کے لئے سرایا روانہ فرماتے تھے' ان سرایا میں پہلا سریہ ۶ھ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا' اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سامان تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے' واپسی میں مقام وادی القریٰ میں بنی فزارہ نے مار پیٹ کر کل سامان چھین لیا' آنحضرت ﷺ نے ان لٹیروں کی تنبیہ کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا' جس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص

سریہ زید بن حارثہؓ ۶ھ‘ اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہنید نے آنحضرت ﷺ کے قاصد دحیہ کلبی کا‘ جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے‘ کل سامان چھین لیا تھا‘ آنحضرت ﷺ نے اس کے بدلہ کے لئے زیدؓ بن حارثہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۵) اس قسم کے سرائے عموماً خانہ بدوش اور پیشہ ور غارت گر قبائل کی طرف بھیجے جاتے تھے‘ سریہ دومتہ الجندل بھی اسی قسم کا سریہ تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۳)

(۵) پانچویں قسم اشاعت اسلام کے سرایا‘ قبائل سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے ان سب کے کانوں تک اسلام کی آواز پہنچانا‘ آنحضرت ﷺ کا فرض تھا‘ اس لئے آپ وقتاً فوقتاً اسلام کی اشاعت کے لئے ان میں مسلمانوں کی جماعتیں بھیجتے تھے‘ یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے‘ اور چونکہ بدامنی عام تھی اس لیے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے‘ کبھی کبھی ان میں اور مخالفین اسلام میں جنگ کی نوبت آجاتی تھی‘ اس سلسلے کے بعض سرائے یہ ہیں۔

سریہ بیر معونہ‘ ۴ھ‘ قبیلہ کلاب کے رئیس عامر بن مالک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے یہاں دعاۃ اسلام بھیجنے کی درخواست کی تھی‘ اس درخواست پر آپ ﷺ نے منذر بن عمرو ساعدی کی ماتحتی میں ستر (۷۰) قراء کی جماعت بھیجی‘ بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور زکوان کے ہاتھوں شہید ہوئے صرف ایک شخص بچ گیا‘ جس نے مدینہ آ کر اطلاع دی۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۴‘ تا ۳۸) سریہ مرثد ابی مرثد غنوی ۳ھ‘ یہ دس مسلمانوں کی جماعت تھی‘ جو قبیلہ عضل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لئے بھیجی گئی تھی‘ مقام رجیع میں بنی لحیان نے حملہ کر کے ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۹‘ ۴۰) سریہ ابن ابی

العوجاء ۷ھ اس میں ابن ابی العوجاء کی ماتحتی میں پچاس مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے' بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیروں اور پتھروں سے دیا مسلمانوں نے مجبوراً مقابلہ کیا لیکن ابن العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوئے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۸۹) سریہ کعب بن عمیر ۸ھ میں یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی' یہاں کے باشندوں نے بھی سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا اور ایک کے سوا کل شہید ہوئے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۹۲)

اگر چہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لئے مسلح بھیجے جاتے تھے' لیکن انہیں خاص طور سے تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیں گے' پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آ جاتے تھے' اگر یہ واقعات مسلمانوں کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سخت صدمہ ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پوری تلافی فرماتے تھے' فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تین آدمیوں کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے بنی جذیمہ بھیجا اور چلتے چلتے تاکید فرما دی کہ "صرف اسلام کی دعوت دینا' جنگ مقصود نہیں ہے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۰۶' ۱۰۷ و طبری ص ۶۵) لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے غلطی سے تلوار اٹھا دی اور بہت سے آدمی قتل ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی اور قبلہ رو کھڑے ہو کر فرمایا' خدایا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔" پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام مقتولین حتی کہ کتوں تک کا خون بہا ادا کیا۔

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہیں' جو مختلف اطراف میں بت شکنی کے لئے بھیجے گئے' سارے عرب میں صنم کدوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا' ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا' اس لئے کوئی خطہ بت کدوں سے خالی نہ تھا' فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی' لیکن صدیوں کی پرستش کی وجہ سے ان کے

دلوں سے بتوں کی ہیبت نہ مٹتی تھی' اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے طائف کے باشندوں نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے' لیکن آنحضرت ﷺ نے مسترد فرمادی' اس وقت انہوں نے کہا' اچھا ہم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے' اس قسم کے خوف و ہراس کو مٹانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمان بت کدوں کو توڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ سریہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید عزیٰ کے صنم کدہ کو' سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سواع کے بت خانے کو' سریہ (طبری ص ۶۵) سعد رضی اللہ عنہ بن زید مناۃ کے صنم خانے کو' سریہ ابوسفیان و مغیرہ لات کی پرستش گاہ کو' سریہ جریر' ذی الخلصہ کے مندر کو' سریہ طفل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو' سریہ علی بن ابی طالب فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ (ابن سعد ج ۲ ق اول میں ان سب کے حالات ہیں) اس کے علاوہ چھ ہجری میں سریہ عکاشہ بن محسن و سریہ علی بن ابی طالب' ۷ھ میں سریہ کعب بن عمرو چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتوں میں دشمنوں کی خبر سن کر بھیجے گئے' اور سرایا بھی ہیں لیکن ان کا استقصاء مقصود نہیں ہے' ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی میں مذکور ہیں۔

جنگ میں اسلام کی اصلاحات: ان غزوات و سرایا سے ظاہر بینوں کو یہ دھوکہ ہوا' یا وہ عمداً یہ غلط نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان کا مقصد قتل و غارت گری اور اسلام کی جبری اشاعت تھا' حالانکہ یہ تمام لڑائیاں تبلیغ اسلام کی راہ میں کفار کی مزاحمت کی بناء پر پیش آئیں اور دوسری قوم کی لڑائیوں میں بڑا فرق ہے' خود عرب میں' جنگ سفاکی اور درندگی کا نمونہ تھی' اس کا مقصد دوسروں کے ملک' زمین اور مال و متاع پر قبضہ یا جذبہ انتقام کی تسکین ہوتی تھی اور لڑائی میں فریقین انسانیت کی حدود سے گزر جاتے تھے' اسیران جنگ جو مردوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر ڈالتے' بلکہ آگ میں زندہ جلا دیتے تھے' غفلت کی حالت میں دفعتہً دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے' بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے' زندہ آدمیوں کے اعضا کاٹ ڈالتے کہ تڑپ تڑپ کر مرے۔

جذبہ انتقام میں مردہ لاشوں کے اعضاء کاٹ ڈالتے' حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے' سرسبز کھیتوں کو اجاڑ ڈالتے' آبادیوں کو ویران کر ڈالتے۔

اسلام نے خاص حالات میں جنگ کی اجازت ہی نہیں بلکہ اس کا حکم تک دیا ہے' لیکن اس کو تمام دنیاوی اغراض اور وحشیانہ افعال سے پاک کر کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا دیا' اور مذکورہ بالا امور بلکہ تمام خلاف انسانیت باتوں سے روک دیا' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی' (ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین) دشمن کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے کا عرب میں عام دستور تھا' سختی سے روک دیا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین باقتل الاسیر بالنبل) لڑائیوں میں عہد کی پابندی کی کوئی قیمت نہ تھی' آنحضرت ﷺ نے پابندی عہد کی سخت تاکید فرمائی' خود قرآن میں اس کے صریح احکام ہیں' قاصدوں کے قتل اور ان کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا' حتیٰ کہ ان قاصدوں سے بھی ناروا سلوک نہیں فرمایا' جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ گستاخی کی۔ اسیران جنگ کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرما دی' جنگ بدر کے قیدیوں کو جب صحابہ ﷺ کے حوالہ کیا تو تاکید کر دی کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے' چنانچہ صحابہ خود کھجور کھا کر پیٹ بھرتے تھے' ان کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے' غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا اور ان کے پہننے کے لئے اسی قدر جوڑے مرحمت فرمائے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق اول حالات غزوہ بدر' حنین)

اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ فوج کشی کے وقت جن جن مقامات اور راستوں سے فوجیں گزرتی تھیں' ان میں عام لوٹ مار کرتی تھیں' آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا' ایک غزوہ میں مسلمانوں کو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے دشواری پیش آ گئی' اتفاق سے بکریوں کا ایک گلہ نظر آیا۔ مسلمانوں نے اسے لوٹ لیا اور بکریاں ذبح کر کے گوشت پکایا' آنحضرت ﷺ کو اسکی اطلاع ہوئی تو جا کر اپنے ہاتھوں سے

پکتی ہوئی ہانڈیاں چولہے پر سے الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے۔ (ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی النھی عن النب اذاکان فی الطعام قلتہ) ایک مرتبہ اور مسلمانوں نے کچھ تاخت و تاراج کی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عام منادی کرا دی کہ جو شخص دوسروں کو ان کے گھروں میں تنگ کرے گا یا غارت گری کرے گا' اس کا جہاد جہاد نہیں ہو گا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایو مرمن الصمام العسکر) مال غنیمت ہر قوم کے کے فاتحین کا جائز حق ہے اس لئے اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا لیکن اسکی حرص و طمع کو اور اسے جنگ کا مقصد قرار دینے کی نہ صرف ممانعت فرمائی' بلکہ حصول اجر و ثواب کے منافی قرار دیا' ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے' کوئی اظہار شجاعت کے لئے' ان میں سے کس کا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے' فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو۔ (بخاری کتاب الجہاد من قاتل لتکون کلمتہ اللہ ھی العلیا) خود قرآن پاک میں جن جن صورتوں میں جنگ کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا ہے اس کی رو سے اسلامی جہاد خدا شناسی اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی اور ملک میں فتنہ و فساد کے استیصال کا ذریعہ ہے اور اس کا مقصد صرف اعلائے کلمتہ اللہ' روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کا قائم اور اس کی تحمید و تقدیس ہے' کلام مجید میں اس کی متعدد آیات ہیں' اس طرح اس نے جنگ کو جو صرف سفاکی و خون ریزی سے عبارت تھی عبادت بنا دیا۔

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوت اسلام: آنحضرت ﷺ کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا' لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں سنگ گراں بنی رہی' اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کر لی' جس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' ورنہ یہ لڑائیاں مقصود بالذات نہ تھیں' لیکن ان مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی' تا آنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا' اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے ابتداء میں تن تنہا' اشخاص سے مل کر مجمعوں' میلوں اور قبائل میں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے اس راہ میں آپ ﷺ نے جو جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں' اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے' اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد اسلام میں جوں جوں تقویت آتی گئی' اس فریضہ کی ادائیگی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی' تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں' جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا' وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا' امراء اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے' ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان مساعی کے ساتھ ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوتے گئے جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گئے اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا' لیکن بعثت نبوی ﷺ کے قبل ہی سے ان میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشی حق موجود تھے' ورقہ بن نوفل'

عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ انہی متلاشیان حق میں سے تھے۔ (طبقات کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات میں اس کی تفصیل ہے)

اس جماعت میں سے جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی زیر اثر جماعت کو بھی اس سے نوازا، مثلاً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری خود مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ (بخاری، ذکر اسلم وغفار) پھر قبیلہ غفار کے اثر سے اس کا ہمجوار قبیلہ اسلم مسلمان ہوا۔ (مسلم باب اسلام ابی ذر)

حضرت سلیمان فارسی بھی ان لوگوں میں سے تھے جو سالہا سال دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے پہلے عیسوی مذہب اختیار کیا، اس کے بعد اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ اسلام کا سبب بن جاتی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "صابی" یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے، اس سے ان میں قدرۃً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے۔ قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے ایک مرتبہ وہ مکہ آئے تو سنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہو گیا ہے، انہیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا، اس لئے ازراہ محبت و ہمدردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کے لئے پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں، ان کے سحر آفرین اثر سے وہ مسلمان ہو گئے، پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ)

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا، قبائل پر شعراء کا بڑا اثر تھا، اس لئے قریش نے عمرو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی، لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سن لیا اور اسکے اثر سے مسلمان ہو گیا، اسکے قبیلہ پر اس کے اسلام کا اثر پڑا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی و

گفتگو کا موقع ملا، اس وقت مسلمانوں کے اخلاق وعمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ ''کوئی سمجھ دار آدمی ایسا نہ تھا، جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کیا ہو، جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔'' (طبری ص ۱۵۵۱) پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلتہً سست رہی، فتح مکہ کے بعد ہر طرف لوگ قبول اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے لگے، اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے، اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور قریش کی قوت ختم ہوگئی، اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔ بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو ان کی قوم؟ قریش پر چھوڑ دو، اگر محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے، تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ﷺ ہیں پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔؟ (بخاری باب فتح مکہ) فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی، دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور آپ ﷺ نے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے ان میں سے بعض مبلغین اور مقامات کے نام یہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ	قبیلہ ہمدان، جذیمہ اور رندج
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	اطراف مکہ
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	بحرین
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	عمان
حضرت دیر بن تحنس رضی اللہ عنہ	ابنائے فارس
حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی امیہ	حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیر وسیر حاصل اور تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز تھا حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں' ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی اور قبیلہ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا' لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا' ۸ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید ؓ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا' یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے' لیکن کامیاب نہ ہوئے' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس بلا لیا' اور حضرت علی ؓ کو ان کی جگہ بھیجا' آپ ؓ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۲۳) یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا' ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علی ؓ کے سپرد کی' انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا' حضرت علی ؓ نے بھی مدافعت کی' اس مدافعت میں بیس مذحجی کام آئے باقی بھاگ نکلے' اس کے بعد خود روسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا' اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ (ابن سعد ج ق اول ص ۱۲۲) حضرت علی ؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل ؓ اور حضرت ابو موسی اشعری ؓ بھی دعوت اسلام کے لئے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے۔ (بخاری کتاب المغازی)

نجران میں ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا' ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید ؓ کو نجران بھیجا ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۱۶)

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا' یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے' ان میں عبدالقیس بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے' عبدالقیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے' آپ نے ان کو ایک فرمان عطا کیا' وطن واپس جانے کے بعد

منقد نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی انہوں نے منقد سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا، اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۶۶) ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سیلخت کی دعوت پر ایمان لایا۔ عمان میں قبیلہ ازد تھا۔ عبید اور جعفر یہاں کے حاکم تھے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابو زید انصاری ؓ اور عمرو بن العاص ؓ کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا، اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے یہاں کے تمام عرب مشرف با سلام ہوئے۔

ان مقامات کے علاوہ عرب مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ نے مبلغین روانہ فرمائے۔ جنہوں نے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی، لیکن ان سب کا استقصاء مقصود نہیں ہے۔ مبلغین کے علاوہ بعض آدمیوں نے دور دراز مقامات سے آ کر خود اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کی، ان میں سے بعضوں کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ان میں طفیل بن عمرو دوسی، عروہ ؓ بن مسعود ثقفی، عامر بن شہر ؓ ہمدانی، ضمام ؓ بن ثعلبہ سعدی، منقد ؓ بن حبان اور ثمامہ بن آثال کے نام لائق ذکر ہیں۔ عرب کے جو مقامات اسلام کے زیر اثر آتے تھے، وہاں زکوٰۃ، عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو عمال بھیجے جاتے تھے، وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ وارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان میں سے بعضوں کے نام یہ ہیں۔

مہاجر ؓ بن ابی امیہ	عامل صنعاء یمن

زیاد ﷺ بن لبید	عامل حضرموت
خالد ﷺ بن سعید	عامص صنعاء یمن
عدی بن حاتم	قبیلہ طے (اور ان کا وطن بھی یمن تھا)
علاء حضرمی	عامل بحرین
حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ	عامل زبید و عدن
حضرت معاذ بن جبل	عامل جند
جریر بن عبداللہ بجلی ﷺ	ذوالکلاع حمیری

وفود: آنحضرت ﷺ کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا' اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا' یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے' پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے۔ یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے' اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے' یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے لیکن زیادہ تعداد بلکہ دو چار کے سوا باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے' ان میں بعض کے نام یہ ہیں:۔

مزینہ' اسد' تمیم' عبس' فزارہ' مرہ' ثعلبہ' محارب' سعد بن بکر' کلاب' عقیل بن کعب' بنی البکا' کنانہ' اشجع' باہلہ' سلیم' ہلال بن عامر' عامر بن صعصعہ' ثقیف' ربیعہ' عبد قیس' بکر ابن وائل' تغلب' حنیفہ' شیبان' طے' مراد' زبید' کندہ' صدف' سعد' ہذیل' بلی' بہرا' عذرہ' سلامان' جہنیہ' کلب' جرم' آزد' غسان' حارث بن کعب' ہمدان' نخع' بجیلہ' خثعم' اشعریین' ازدوس' اسلم' جذام' مہرہ اور حمیر وغیرہ۔

ان میں سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے' ابن سعد نے طبقات میں ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج اول ق ۲ حالات وفود) غرض چند برسوں کے اندر اندر سارے عرب میں اسلام پھیل

اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے' اسی طرح نماز پڑھو۔ (بخاری باب رحمتہ البہائم) دوسرا طریقہ مستقل درس و تعلیم کا تھا' اور اس کے لئے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی' اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے' جو علائق دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دینی تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لئے وقف کر دیتے تھے' اس درس گاہ میں دو حلقے تھے' ایک درس و تعلیم کا اور دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے ایک دن رسول اللہ ﷺ کا شانہ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے تھے' ایک حلقہ کے لوگ تلاوت و دعا میں مصروف تھے' اور دوسرے حلقہ کے تعلیم و تعلم میں' آپ ﷺ نے دونوں کو تحسین فرمائی اور خود ارشاد فرما کر کہ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں' درس و تعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ (سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء و بحث علی طلب العلم) صفہ کی درس گاہ میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی' ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی۔ (ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم) ان کا سارا وقت درس و تعلیم میں گزرتا تھا' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے' اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' جو اس درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے' کا بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے' اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال میں' میں محتاج آدمی تھا' میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزرتا تھا' اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے' میں موجود رہتا تھا' اور جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے میں محفوظ رکھتا تھا۔ (فضائل ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پرمشقت اور پرمحن تھی' کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا'

پہننے کے لئے صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جماع اثواب ما یصلی فیہ) فقر وفاقہ کا یہ حال تھا کہ ضعف سے نماز میں گر پڑتے، بدو دیکھتے تو کہتے کہ پاگل ہیں۔ (ترمذی ابواب الزہد) ان میں سے کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر ان کی آمدنی سے گزراوقات کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید) اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا، یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے، چنانچہ قبیلہ عرینہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر (۷۰) قراء کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، جن کو ان لوگوں نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ (مسلم کتاب الامارۃ ثبوت الجنۃ للشہید) عہد نبوی میں ان قراء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی تھی، چنانچہ یمامہ کی جنگ میں جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی میں ہوئی ستر حفاظ شہید ہوئے۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۴۵)

تعمیر مساجد: اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح وتقدیس الٰہی تھا، اس لئے مسجد کی تعمیر سب سے مقدم فرض تھا، عبادت وریاضت کے علاوہ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز تھی، جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی۔ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا، تو اس کے لئے مسجد ضروری ہو جاتی تھی، بڑی بڑی آبادیوں میں ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدوں کی ضرورت پیش آجاتی تھی، چنانچہ عہد نبوی ﷺ میں صرف مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں تھیں، جن میں علیحدہ علیحدہ نماز ہوتی تھی، ان کے نام یہ ہیں، مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ مسجد بنی رانج، مسجد زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلام، مسجد جہینہ۔

ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہیں۔

مسجد بنی حذرہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عائکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وائل، مسجد الشجرہ۔ (عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۸) غرض آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت عرب کے گوشہ گوشہ میں خدائے واحد کا گھر تعمیر ہو گیا تھا، جہاں ہر روز پانچ وقت اسکا نام لیا جاتا تھا۔

ائمہ نماز: مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لئے ائمہ بھی مقرر فرمائے، معمولاً ہر قبیلہ کے بڑے حافظ قرآن کو یہ منصب عطا ہوتا تھا، اور اس میں آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا۔ غلام آقاؤں کی امامت کرتے تھے، ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آچکے تھے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کی امامت کرتے تھے، آپ ﷺ نے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول فرمایا تھا کہ "جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو ان سے جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اگر اس میں برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔ (مسلم)

جن جن مقاموں پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے، عموماً وہی وہاں کے امام بھی ہوتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸) بعض مقاموں پر عامل اور امام کے فرائض علیحدہ علیحدہ دو شخصوں سے بھی متعلق ہوتے تھے۔ سیرت کی کتابوں میں عہد نبوی ﷺ کے اماموں کے ناموں کی نام بنام تفصیل نہیں ملتی، مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل اماموں کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت معصب ؓ بن عمیر: مدینہ منورہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ میں انصار کی امامت کرتے تھے۔

حضرت سالم ؓ (حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام) مدینہ منورہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مہاجرین مدینہ کی امامت کرتے تھے۔

حضرت ابن ام مکتوم ؓ آپ کے موذن تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ سے باہر شریف لے جانے کے زمانہ میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

حضرت ابوبکر ؓ نے آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں مدینہ میں امامت کی خدمت انجام دی تھی۔

حضرت عتبان بن مالک ؓ بنی سالم اپنے قبیلے بنی سالم کے امام تھے۔

حضرت معاذ ؓ بن جبل اپنے قبیلے بنی سلمہ کے امام تھے۔

ایک انصاری ؓ مسجد قبا میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔

حضرت عمرو بن سلمہ ؓ اپنے قبیلے بنی جرم کے امام تھے۔

حضرت اسید بن حضیر ؓ آپ بھی بنی جرم کے قبیلے کے امام تھے۔

حضرت انس بن مالک ؓ یا کوئی اور صحابی اپنے قبیلے بنی نجار کے امام تھے۔

حضرت مالک بن حویرث ؓ آپ بھی اپنے قبیلے بنی نجار کے امام تھے۔

حضرت عتاب بن اسید ؓ آپ مکہ میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔

حضرت عتاب بن اسید ؓ آپ مکہ میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ آپ طائف میں اپنی قبیلے کے امام تھے۔

حضرت ابوزید انصاری ؓ آپ عمان کے امام تھے۔

موذنین: غالباً اذان کی خدمت کیلئے کوئی خاص شخص نہیں ہوتا تھا، تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لئے مخصوص تھے۔

حضرت بلال ؓ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے مؤذن تھے۔

حضرت ابن ام مکتوم ؓ آپ بھی مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے مؤذن تھے۔

حضرت سعد القرظ ؓ آپ حوالی مدینہ، مسجد قبا کے مؤذن تھے۔

حضرت ابو محذورہ (ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں) آپ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے مؤذن تھے۔

غرض آنحضرت ﷺ نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اسیس حکومت الٰہی

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید' اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیام امن کیلئے ضروری تھے' اسلام دنیا میں شہنشاہی قائم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا' جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا' اس قانون کے تحفظ' نفاذ اور قیام امن کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی' اس لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ خلافت الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی' یہ کوئی شہنشاہی نظام نہ تھا بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظام حکومت تھا' وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آجاتی تھیں ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا۔ اگرچہ ذات اقدس جملہ مذہبی و انتظامی امور کا مرجع تھی' لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہوسکتی تھی' اسلئے آپ نے مختلف شعبے قائم کر کے انہیں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمادیا تھا' وہ سادہ نظام حکومت یہ تھا۔

فوج اور امیر العسکری: چونکہ اسلام جنگ و جدل کے لئے نہیں آیا تھا اس لئے اس کی کوئی باقاعدہ اور منظم فوج بھی نہ تھی' مگر حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدان جہاد میں سربکف نظر آتا تھا۔ بڑے بڑے معرکوں میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس قیادت فرماتے تھے' بدر' احد' خیبر' اور فتح مکہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ ہی امیر العسکر تھے' ان معرکوں کا مقصد خونریزی اور فتح نہ تھا بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول آئین جنگ کی تاسیس بھی تھا۔ مجاہدین اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپ ﷺ نے گرفت فرمائی اسکی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے' لیکن چھوٹے

چھوٹے سرایا میں اکابر صحابہ ﷺ امیر العسکر ہوتے تھے۔ جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔

افتاء: افتاء کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے لیکن بعض صاحب علم صحابہ ﷺ بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ: مدینہ اور حوالی کے قضیے آپ خود فیصل فرماتے تھے لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحب علم صحابہ ﷺ جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے' حضرت علی ﷺ اور حضرت معاذ ﷺ بن جبل کو آپ ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا' بعضوں کے نام آئندہ آئیں گے۔

کاتب: آپ ﷺ دعوت اسلام کے خطوط بھیجتے تھے' قبائل واقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے' مسلمان قبائل اور عمال محصلین کو احکام وہدایات بھیجتے تھے' اس لیے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا' اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا' لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری ﷺ اور آخر میں امیر معاویہ ﷺ کاتب وحی تھے۔ ان کے علاوہ مراسلات کی تحریر کی خدمت اور بہت سے صحابہ کرام ﷺ سرانجام دیتے تھے۔

احتساب: یعنی قوم کے اخلاق وعادات' بیع وشرا اور معاملات داد وستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبوی ﷺ میں نہ تھا لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑ گئی تھی' آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے' لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے' تجارت میں آپ نے بہت سی اصلاحات جاری کیں اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا' جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اسکو خود اسی جگہ بیچ دیں۔ (بخری کتاب البیوع) کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لے جاتے تھے' ایک بار آپ بازار سے گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا' اس

کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی' دکاندار سے پوچھا' اس نے جواب دیا' بارش سے بھیگ گیا ہے' فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا کہ ہر شخص کو نظر آتا' جو لوگ فریب دیتے ہیں' وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۵۳)

عمال کا جائزہ: فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے' چنانچہ جب عمال زکوۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا' ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللیتہ رضی اللہ عنہ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے' جائزہ لیا' انہوں نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا' اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جسمیں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ (بخاری کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۶۷)

حکام اور ولاۃ: مقدمات کا فیصلہ' اقامت عدل اور قیام امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے' ان حکام اور ان کے مقاموں کے نام یہ ہیں۔

حضرت باذان رضی اللہ عنہ بن ساسان بہرام گور کے خاندان سے تھے' سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ سلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔

حضرت شہر بن باذان رضی اللہ عنہ باذان بن ساسان کے بعد صنعاء کے والی مقرر ہوئے

حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص: شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے۔

حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی امیہ مخزومی آپ ﷺ نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ بن لبید انصاری والی حضرت موت

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل والی جند

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم والی نجران

حضرت زیدؓ بن ابی سفیان والی تیمار

حضرت عتابؓ بن اسید والی مکہ

حضرت علیؓ بن ابی طالب متولی اخماس یمن

حضرت عمروؓ بن العاص والی عمان

حضرت علاءؓ بن حضرمی والی بحرین

محصلین: اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات وزکوٰۃ خود لاکر پیش کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی' اس ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوٰۃ کے محصل مقرر فرمائے' عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا' ان کے نام یہ ہیں۔

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
حضرت عدیؓ بن حاتم	طے و بنی اسد	حضرت مالکؓ بن نویرہ	بنو حنظلہ
حضرت صفوانؓ بن صفوان	بنی عمرو	ابو جہم بن حذیفہؓ	بنو لیث
ایک ہذیمیؓ	بنی ہذیم	حضرت عبداللہ بن اللیتہؓ	بنو ذبیان
حضرت عمر فاروقؓ	مدینہ	عبیدہ بن جراحؓ	نجران
حضرت بریدہؓ بن حصیب اسلمی	غفار و اسلم	عبداللہ بن رواحہؓ	شہر خیبر
حضرت عبادؓ بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	زیاد بن لبیدؓ	صوبہ یمن
حضرت زبرقانؓ بن بدر	بنو سعد	خالد بن ولیدؓ	صوبہ یمن

حضرت قیس ﷺ بن عاصم　　بنو سعد　　ابان بن سعید ﷺ بحرین

حضرت عمرو ﷺ بن العاص　　بنو فزارہ　　عمرو بن سعید بن العاص ﷺ

تیماء

حضرت ضحاک ﷺ بن سفیان　　بنو کلاب　　محمید ﷺ بن

جرز　　تحصیل خمس

حضرت بسر بن ﷺ سفیان الکعبی　　بنو کعب　　عیینہ ﷺ بن

حصن فزاری　　بنو تمیم

یہ محصلین قوانین صدقات وزکوۃ کے عالم ہوتے تھے' ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا' جس میں بہ تصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوۃ کی کیا مقدار ہے' چھانٹ کر عمدہ مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی' ان عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا' اس ضرورت کی تصریح آپ ﷺ نے خود ان الفاظ میں فرما دی تھی کہ "جو شخص ہمارا عامل ہو اسکو اپنی بی بی کا خرچ لینا ہے اور اگر نوکر نہ ہو تو نوکر کا اگر گھر نہ ہو تو مکان کا اور اگر اس سے زیادہ کوئی لے گا تو وہ خائن ہے۔" (ابو داؤد ج ۳ باب ارزاق العمال)

محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف: عہد نبوی ﷺ میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں' غنیمت' فے' زکوۃ' جزیہ اور خراج۔

غنیمت: یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا' یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی' اس کو قرآن نے اللہ تعالی کی ملک قرار دیا ہے اور اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالی اور رسول ﷺ کے نام سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے' یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے۔ لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ ﷺ خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے' سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے اور

پیدل کو ایک۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے‘ (ابوداؤد حلم ارض خیبر) خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ‘ یتامیٰ‘ مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

زکوٰۃ: صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی‘ نقد روپیہ‘ پھل پیداوار‘ مویشی (باستثنائے گھوڑے) اسباب وسامان تجارت۔

(ابوداؤد حلم ارض خیبر کتاب الزکوٰۃ باب اعروض اذا کانت للتجارۃ)

دوسو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم زکوٰۃ نہ تھی‘ پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے‘ پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ۔ (ترمذی کتاب الزکوٰۃ و بخاری جلد اول ص ۲۰۱)

زکوٰۃ کے مصرف کا تعین خود قرآن نے کر دیا ہے فقراء و مساکین‘ نو مسلم‘ وہ غلام جن کو آزاد کرانا ہو‘ مقروض‘ مسافر‘ محصلین زکوٰۃ کی تنخواہیں اور دوسرے کار خیر‘ زکوٰۃ جس مقام سے وصول کی جاتی تھی‘ عموماً وہیں کے مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

جزیہ: غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا‘ اس کی تعداد متعین نہ تھی‘ آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا‘ بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھے۔

خراج: غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے‘ خیبر‘ فدک‘ وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی‘

جو کچھ وصول ہو کر آتا آنحضرت ﷺ اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے' ان سب کے نام رجسٹر میں درج تھے' اہل وعیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔ (ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی)

شریعت کی تاسیس و تکمیل: تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے' بلکہ اپنے پیروؤں کی تزکیہ اخلاق اور ان کی اخروی فوز و فلاح کے ساتھ ان کی جملہ دنیاوی ضروریات کا بھی کفیل ہے اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کے دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام میں اصول ضابطہ موجود ہے اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں۔ اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی ﷺ سے ہوا اور اختتام آپ ﷺ کی وفات پر یعنی کامل تیئس (۲۳) سال کی مدت میں حسب ضرورت بتدریج مکمل ہوتا رہا' اس کی چار شاخیں ہیں عقائد' عبادات' معاملات' اور عام اخلاق۔ ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات' اللہ اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں اور دو یعنی معاملات و اخلاق انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں' عقائد میں توحید' رسالت' ملائکہ' قیامت اور حشر و نشر اور سزا و جزا پر ایمان' عبادات میں نماز' روزہ' حج اور زکوۃ پر عمل (حلال و حرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں) معاملات' وراثت' وصیت' نکاح و طلاق' حدود' تعزیرات' تجارت اور لین دین وغیرہ یعنی مسلمانوں کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط و قواعد' اخلاق' انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض۔ کلام اللہ میں ان سب کے متعلق اصول احکام موجود ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا اور اپنی زندگی میں ایک جماعت نمونہ عمل بنادی' اسلامی شریعت خود

ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہے۔

حجۃ الوداع

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا' اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آ چکی' اسلام کے عقائد' اعمال اور شریعت کے اصول و فروع کی تکمیل ہو چکی' حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آ چکا ہے اور سارے عالم کی راہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہو چکی' اس وقت یہ حکم نازل ہوا۔

﴿اذا جاء نصر اللہ و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا﴾

جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح پڑھو اور استغفار کرو' وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سے آنحضرت ﷺ کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپ ﷺ اپنا کام ختم کر چکے اور دنیا میں آپ ﷺ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لئے عموماً اسلام' اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولوں کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا' اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کا ایک انبوہ شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ آیا اور ۲۶ ذیقعد ۱۰ھ کو آپ ﷺ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا' اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے' دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی' انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا' آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تھے تو عام مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔ مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا' دوسرے دن

غسل فرما کر مکہ میں داخل ہوئے' کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا ''اے اللہ تعالیٰ! اس گھر کو اور زیادہ شرف و عزت دے''۔ پھر کعبہ کا طواف کیا طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام میں دوگانہ ادا کیا' پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' اسکا کوئی شریک نہیں' اس کے لئے سلطنت' ملک اور حمد ہے وہ مارتا اور جلاتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے' کوئی اللہ نہیں مگر وہ اکیلا' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی'' (ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ) پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہونیکے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے' عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا' پنج شنبہ کے دن (آٹھویں تاریخ) منیٰ میں قیام فرمایا۔

خطبۃ الوداع: نویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور و معروف خطبہ دیا' جو تاریخ اسلام میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے' یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے' یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ رسوم مٹا دیئے گئے' چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا۔ ''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں'' (ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ)

مخلوق الٰہی طبقات و مراتب کے امتیاز سے بٹی ہوئی تھی' غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے' شرفاء ادنیٰ طبقوں سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے' عامی' علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے' آپ ﷺ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا۔

لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے' ہاں عربی کی عجمی پر اور عجمی کو عربی پر' سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ

کے سبب سے۔ (یعقوبی ج ا ص ۲۴۳)

اللہ تعالٰی نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباؤ اجداد پر فخر کو مٹا دیا' انسان اللہ سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے یا اس کا نافرمان شقی' تم سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب التفاخر بالاحساب)

اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بھائی بنا دیا۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (مستدرک حاکم ج ا ص ۹۳' ابن سعد حصہ سیرت حالات حجتہ الوداع)

غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیئے۔

''تمہارے غلام' تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ''۔

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتل و مقتول کے قبائل میں پشت ہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا اور ایک ایک قتل کے بدلہ میں سینکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں' آپ ﷺ نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون ہدر کیا۔

''جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔''
(مسلم کتاب الحج باب صفتہ حجتہ النبی وابوداؤد کتاب الحج باب صفتہ حجتہ النبی)

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا' سرمایہ دار غرباء کا خون چوستے تھے' ہر مقروض اپنے قرض خواہ کا غلام تھا' آپ ﷺ نے اس دام کا' خلق اللہ جس کا صید زبوں تھی' تار تار الگ کر دیا اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود باطل کیا۔

''جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے' اور سب سے پہلے اپنے خاندان

رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں سائلین' حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے' آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم فرماتے جاتے تھے' جمرہ پہنچ کر رمی جمار کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئی۔
(سنن نسائی کتاب المناسک باب التقاط الحصی)

اسی دوران یہ بھی فرمایا!

''حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے''۔ (مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر راکباً)

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کیے ہوئے تھے' آگے پیچھے دائیں بائیں ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات و نتائج نگاہوں کے سامنے تھے' زمین سے آسمان تک قبول حق و اعتراف حق کا نور برس رہا تھا' اب ایک نئی شریعت نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا' اس لیے ارشاد فرمایا۔

''ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا' زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آ گیا''۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی ترمیمیں کر دی تھیں' حج کے مہینوں میں خون ریزی حرام ہے اس لیے جنگجو عرب اس کے جواز کیلئے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل و صورت میں آ رہا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا!

''سال کے بارہ مہینے ہیں' جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں' تین متواتر' ذوقعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ ہے' جو جمادی الثانی اور

شعبان کے بیچ میں ہے۔"

دنیا میں عدل و انصاف اور امن و امان کا مدار تین چیزوں پر ہے' جان' مال اور آبرو کی حفاظت' آنحضرت ﷺ ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے' لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے زیادہ تاکید کی ضرورت تھی' اس لیے دوبارہ آپ ﷺ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے' پھر فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک پھر ارشاد ہوا یہ کونسا مہینہ ہے' لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا' آپ ﷺ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے' پھر پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا' آپ ﷺ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے۔"

اس طریقہ استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو گیا کہ آج کا دن' مہینہ اور شہر سب محترم ہے' یعنی اس دن اس مقام پر جنگ و خون ریزی جائز نہیں تو فرمایا۔

"تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔" (فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۹)

قوموں کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے اسلئے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے دوام و ثبات کے لئے فرمایا!

"ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو' تم کو

اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔" (فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۹)

یہ ظلم عالمگیر تھا کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا' اور اصلی مجرم کے فرار ہو جانے کی صورت میں باپ کے عوض میں بیٹے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا' اس ظلم کی ان الفاظ میں بیخ کنی فرمائی گئی!

"ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے' ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں۔" (ابن ماجہ باب الخطبہ یوم النحر)

"قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بدنظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خودسری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری عار شمار کرتا تھا' چنانچہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لئے انہیں انقیاد و طاعت کی تعلیم دی۔

"اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔" (مسلم جلد ۲ کتاب الامرۃ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصية و تحريمها المعصية)

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا' کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا' تمام مخالف قوتیں پامال ہو چکی تھیں' اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا۔ ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

خطبہ کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے۔ "اپنے پروردگار کو پوجو' پانچوں وقت نماز پڑھو' مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی

اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' (مستدرک حاکم ج ا کتاب المناسک باب خطبۃ النبی ﷺ فی حجۃ الوداع)

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

''الا ھل بلغت کیوں! میں نے پیغام خداوندی سنایا؟''

سب نے جواب دیا ''ہاں'' فرمایا۔

اللھم اشھد اے اللہ تو گواہ رہنا!

پھر لوگوں سے فرمایا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب

''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔''

خطبہ کے اختتام کے بعد آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ (صحیح مسلم ج اول کتاب الحج باب حجۃ الوداع) اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسک حج ادا فرمائے' ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام رہا' ۱۳ ذی الحجہ کو یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام فرمایا' پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے' اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز ادا کی' نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں مقام خم غدیر میں صحابہ ؓ کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ ''حمد و ثنا کے بعد' اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے (موت) قبول کرنا پڑے' میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں' ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ (مسلم ج ۲ کتاب الفضائل باب فضائل علی ؓ)

وفات

جزیرۃ العرب کے کفر و شرک کے استیصال' اسلام کی اشاعت' شریعت و مکارم

اخلاق کی تعلیم حجۃ الوداع میں تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا' اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے حجۃ الوداع ہی میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب وگل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے' زیادہ وقت تسبیح وتہلیل میں بسر ہونے لگا۔ شہداء میں شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی' اس کا آنحضرت ﷺ کے دل پر بڑا اثر تھا' اس لیے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لئے ان کی قبروں پر تشریف لے گئے' اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو الوداع کہتا ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا' جس میں فرمایا!

"میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں' اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے' مجھ کو اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو گے البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کرو اور اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں۔" (مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاتہ)

اوپر غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید ؓ بن حارثہ کو رومیوں نے شہید کر دیا تھا' آنحضرت ﷺ نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ ؓ کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جلد اس طرف جائیں اپنے والد کے خون کا انتقام لیں۔

"۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو آپ ﷺ مسلمانوں کے گورغریباں جنت البقیع تشریف لے

گئے‘ وہاں سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا‘ بیماری کی حالت میں بھی آپ ﷺ از راہ عدل باری باری سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں بسر فرماتے تھے‘ جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام فرمایا۔ جب تک چلنے کی طاقت رہی‘ نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے‘ آخری نماز مغرب کی پڑھائی‘ بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر اور عشاء کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا‘ مگر مرض کی شدت و نقاہت سے ہر مرتبہ غشی آ گیا‘ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں‘ آپ ﷺ کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا‘ لیکن آپ ﷺ نے دوبارہ حکم دیا‘ اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ (بخاری کتاب الصلوۃ باب الامامتہ و ابن سعد وفات نبوی ﷺ)

واقعہ قرطاس: وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا دوات اور کاغذ لاؤ‘ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں‘ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا رسول اللہ ﷺ کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے‘ اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا‘ بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے بعض حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں تھے‘ اس اختلاف پر جب شور و غل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپ ﷺ مرض کی شدت میں باتیں کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ (سے پھر پوچھ لو) دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو‘ میں جس مقام میں ہوں‘ وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ (۱)

۱۔ قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ بخاری اور مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیسلہ شئی یوصی فیہ میں موجود ہے۔

یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکہ آراء مبحث بن گیا ہے‘

شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علی کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا' سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو واقعی مرض کی شدت تھی دین مکمل ہو چکا تھا شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا خود قرآن نے الیوم اکملت لکم دینکم کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی' ایسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرض کی شدت میں آپ ﷺ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا' اگر کوئی ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت ﷺ کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے' پھر اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے' مرض میں اتنی تخفیف بھی ہوئی کہ آپ ﷺ نے خطبہ دیا اس میں آپ ﷺ بیان فرما سکتے تھے یا زبانی لکھوا سکتے تھے' یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' ممکن ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے ہوں' بخاری میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اور اہل اسلام ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے' پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں'' دعونی فالذی انا فیه خیر مما تدعوننی الیه ''یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو' جس مقام پر میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی نامعلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے لیکن پھر لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ س کے بعد آپ ﷺ نے چند وصیتیں فرمائیں۔

'' کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے' سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ ﷺ کے زمانہ میں کیا جاتا ہے' تیسری راوی کو یاد نہیں رہی۔

(بخاری باب وفات النبی ﷺ و مسلم کتاب الوصیته باب ترک الوصیته لمن لیس له شیی یوصی فیه)

معاف کردے۔ (بخاری جلد اول مناقب انصار قول النبی ﷺ اقبلوا من محسنھم و تجاوزوا عن مسیئھم) اوپر اسامہ بن زید کو ان کے والد کے خون کے انتقام کے لئے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے' بعض لوگوں کی روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ منافق تھے' جن کو اسامہ ﷺ کی سرداری پر اعتراض تھا کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا' اس اعتراض کے متعلق فرمایا۔ اگر اسامہ ﷺ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو' اللہ تعالیٰ کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا' اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری مناقب زید بن حارثہ کتاب المغازی باب بعثت اسامہ ﷺ)

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہیں' آنحضرت ﷺ کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول وفعل سے بندوں تک ان کو پہنچا دیں' دوسرے مذاہب کے پیروں نے اپنے پیغمبروں کو واضح قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعین میں افراط کر کے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا' اس لئے مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا

''حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے''۔ (مسند احمد شافعی باب استقبال القبلہ و ابن سعد وفات البنی ﷺ)

سارے الہامی مذاہب میں انسان کی جزا و سزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے بعض مذاہب کے پیرووں نے غلطی سے اپنے پیغمبروں کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا: اے پیغمبر اللہ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اے پیغمبر اللہ کی پھوپھی صفیہ اللہ کے یہاں کے لیے کچھ کر لو' میں

تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا۔" (مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ و ابن سعد وفات النبی ﷺ)

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے' متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا' یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں بلکہ مقدس بزرگوں (سینٹ) کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی سے مل جاتی تھی' مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عین بیماری کی شدت میں ارشاد ہوا۔

"یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔" (بخاری باب وفات نبوی ﷺ و مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور)

جس قدر وصل حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی' دنیا اور اس کے سامانوں سے علیحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے۔ "عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ "عائشہ رضی اللہ عنہا وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد اللہ سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو اس کی راہ میں خیرات کر دو۔" (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ و ابن سعد حالات وفات نبوی ﷺ)

مرض کی حالت یکساں نہ تھی' کبھی شدت ہو جاتی تھی کبھی افاقہ نظر آتا تھا' وفات کے دن یعنی دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا' پردہ اٹھا کر دیکھا' لوگ نماز فجر میں مشغول تھے' یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا جاتا تھا دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا' بار بار غشی ہونے لگی اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے۔

﴿اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم اللھم بالرفیق الاعلی﴾

"ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا رفیق

ہے۔"

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی' اور زبان مبارک سے نکلا۔

" الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم " نماز! اور غلام!

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے' اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا!

بل الرفیق الاعلیٰ   اب کوئی اور نہیں پس وہی رفیق اعلیٰ درکار ہے۔

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔ (وفات کے حالات بخاری کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں)

حضرت ابو بکرؓ کا استقلال: اس حادثہ عظیم نے صحابہ ؓ اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا' حضرت عمر ؓ کو شدت الم اور فرط محبت وعقیدت میں آپ ﷺ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچ کر کہتے تھے' جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا' وفات کے دن صبح کو آپ ﷺ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابو بکر ؓ آپ ﷺ کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں' چلے گئے تھے' وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا' آپ ؓ سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا!

"میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں وہ موت جو آپ ﷺ کیلئے مقدر تھی آ چکی اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔" (بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت)

یہ بڑا نازو وقت تھا' اگر محرم اسرار نبوت حضرت ابو بکرؓ کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے' آپؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ ''بیٹھ جاؤ'' انھوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہیں کی' تو آپؓ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی۔

''جو لوگ محمدﷺ کی پرستش کرتے تھے تو بے شک وہ مر گئے اور جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔''

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل﴾

محمدﷺ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ وارفتہ محبت صحابہؓ کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت)

تجہیز و تکفین: وفات کے دن شام ہو چکی تھی' تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے' صحابہؓ علیحدہ بے خود و مبہوت ہو رہے تھے اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو عمل میں آئی' غسل وغیرہ کی سعادت اعزہ خاص حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ قثم بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ کے حصہ میں آئی' حضرت ابو طلحہؓ نے قبر مبارک کھودی اور باری باری سے مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول مطابق ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو' کونین کی یہ دولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کر دی۔

متروکات: شہنشاہ کونینﷺ نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی' ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہﷺ نے انتقال کے وقت

کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم و دینار' نہ غلام نہ لونڈی' نہ اور کچھ' صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین' جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے' (بخاری کتاب الوصایا وقال اللہ عزوجل کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الخ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی (ابو داؤد کتاب الوصایا باب مایومر بہ من الوصیۃ) بہر حال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزیں تھیں' اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے۔ "ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔" (بخاری کتاب الصایا وکتاب الجہاد باب فرض الخمس)

عمرو بن حویرث کی روایت میں جس زمین کا تذکرہ ہے اس سے مراد مدینہ' خیبر اور فدک کے چند باغات ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے متروکات میں صرف یہی جائیداد و زمین تھی۔ مدینہ کی جائیداد میں ایک بنی نضیر کی جائیداد تھی اور چند باغ تھے جو مخیرّق نام ایک یہودی نے آپ ﷺ کو وصیۃً ہبہ کیے تھے' لیکن صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرما دیئے تھے (بخاری کتاب الوصایا وکتاب الجہاد باب فرض الخمس و فتح الباری ج ۔۲' ص ۔۱۴۰)

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہ ؓ سے مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ جائیداد بطور تولیت کے آپ ﷺ کے پاس تھی۔ دوسری جماعت اسے رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور قابل میراث جائیداد قرار دیتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ اور اکثر ازواج رضی اللہ عنھن اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے' لیکن حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ اور دوسرے صحابہ ؓ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں اس کی آمدنی جن مصارف میں صرف فرماتے تھے۔ اس میں تغیر نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب

الجہاد باب فرض الخمس و کتاب الفرائض) آپ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں ان جائیدادوں کے مصارف متعین فرما دیئے تھے۔ بنو نضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی کے دو حصے عام مسلمانوں پر صرف فرماتے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے مصارف کے لیے عطا فرماتے تھے جو مصارف سے بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا۔ (ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ والفی باب وصایا رسول اللہ ﷺ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اخیر عہد خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ (ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ والفی باب وصایا رسول اللہ ﷺ) خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ میں رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں اہل بیت کو واپس کر دیا۔

آئیں۔ان کے زمانہ وفات کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے۔ بہ روایت صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ۱۰ بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکہ میں نکاح کیا۔اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی ذہین' زیرک اور فہیم تھیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے نسوانی احکام و مسائل کی تعلیم کے لیے انہیں خاص طور پر اس کی تعلیم دی تھی۔ وہ صرف امہات المومنین میں نہیں بلکہ بہت سے صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مہمات مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔انہوں نے ۹ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارے' آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔یہ بھی بیوہ تھیں۔ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوئی تھی۔خنیس غزوہ بدر میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا۔ان کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی۔۴۵ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا: ان کا نام زینب رضی اللہ عنہا تھا'فقراء اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں۔اس لیے 'ام المساکین' کنیت ہو گئی تھی۔ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا' لیکن اس شرف کے حصول کے دو ہی تین مہینوں کے بعد زینب رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ہند نام تھا'ام سلمہ کنیت' والد کا نام سہیل تھا۔ان کی پہلی شادی ان کے چچیرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے

کی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیئے۔ ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

حضرت ام حبیبہؓ: اصلی نام رملہ اور ام حبیبہ ؓ کنیت ہے' لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی۔ یہ بھی خاندان قریش سے تھیں۔ اپنے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش ؓ کے ساتھ آغاز اسلام میں مشرف با سلام ہوئیں اور حبشہ کی دوسری ہجرت میں حبشہ گئیں۔ حبشہ میں ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا' لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہیں۔ اس لیے عبید اللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے قبول کر لیا اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نجاشی کی وکالت میں چار سو دینار پر عقد ہوا۔ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ ؓ کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا' انہوں نے ۴۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت میمونہؓ: ان کے والد کا نام حارث تھا' ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو ثقفی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی تو ابو درہم بن عبد العزیٰ نے نکاح کیا۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ ان کے سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بروایت صحیح ۵۱ھ میں بمقام سرف انتقال کیا۔

حضرت صفیہؓ: اصلی نام زینب ہے۔ یہ غزوہ خیبر میں امام وقت کے پانچویں حصے (خمس) میں پڑی تھیں۔ جسے ''صفی'' کہتے ہیں اس لیے صفیہ کہلائیں' نسلاً اور مذہباً یہودیہ تھیں۔ ان کے ننہال اور ددھیال دونوں میں سرداری تھی۔ انکا باپ حی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا اور ان کی ماں بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی

شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا۔ صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں کام آئے اور خود گرفتار ہوئیں۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے لیے منتخب کیا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے بنونضیر اور بنوقریظہ کی رئیسہ کو دحیہ کلبی کو دے دیا اور وہ صرف آپ کے لائق ہیں۔ ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لیے آپ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو دوسری لونڈی دے دی اور صفیہ کو ازواج سے عزت بخشی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا جنہیں ازواج مطہرات میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی، کبھی کبھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر طعن وطنز کرتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔

اولاد امجاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں کی رو سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادیں تھیں۔ دو صاحبزادے قاسم اور ابراہیم رضی اللہ عنہ اور چار صاحبزادیاں، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما۔ بعض روایتوں میں دو اور صاحبزادوں طیب اور طاہر رضی اللہ عنہ کا نام بھی ملتا ہے۔ ان میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، باقی کل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے۔ قاسم سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پر تھی۔ سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور کل سولہ یا سترہ مہینے زندہ رہے۔ ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گرہن ہوا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت اس کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی کہ چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔

صاحبزادیوں میں زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں، یہ قاسم کے بعد پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی۔ زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں ۸ھ میں انتقال کیا۔ ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ یادگار چھوڑی۔ آنحضرت ﷺ امامہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت میں بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے۔

زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری میں عتبہ سے طلاق دلوادی، طلاق کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ ان کا انتقال بھی آنحضرت ﷺ کی زندگی میں غزوہ بدر کے زمانہ میں ہوا۔ انہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے۔

رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی، انہیں بھی ابولہب نے طلاق دلوادی تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردی۔ شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں۔ ۹ھ میں انتقال کیا۔

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ چونکہ لڑکیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں اور ان کے علاوہ سب اولادیں آنحضرت ﷺ کی حیات میں انتقال کرگئی تھیں۔ اس لیے آپ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی"۔ آپ ﷺ کی نامرضی دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا ارادہ ترک کردیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی بھر دوسری شادی نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے چھ مہینہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ان کے پانچ اولادیں تھیں۔ حضرت حسن، حضرت حسین، ام کلثوم، زینب، محسن رضی اللہ عنہ۔ محسن کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا۔

اخلاق نبوی ﷺ: جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں ممتاز ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو ان تعلیمات کے نمونہ عمل

کے لحاظ سے دوسرے انبیاء ورسل میں امتیاز حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند خاص واقعات کے سوا ان کے سوانح حیات اور اخلاق و سیرت کے حالات محفوظ نہیں۔ اس لیے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کا ایک ایک خدوخال محفوظ ہے۔ آپ ﷺ نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی' ان کو عملاً برت کر دکھایا' خود قرآن نے آپ ﷺ کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے۔

انک لعلیٰ خلق عظیم اے محمد! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو

آپ ﷺ کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی۔

رقت قلب' زہد وورع' عفت وعصمت' حسن معاملہ' حسن خلق' عدل وانصاف' جودوسخا' ایثاروقربانی' محبت ورحمت' زہد وقناعت' صداقت وامانت' تواضع ومساوات' ضبط وحلم' عفوودرگزر' حسن سلوک' دشمنوں' کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ' عیادت وتعزیت' مہمان نوازی' سادگی وبے تکلفی' مسکینوں اور محتاجوں کی دلجوئی' صبروشکر' شرم وحیا' عزم واستقلال' شجاعت وشہامت' گداگری اور سوال سے نفرت' صدقہ سے پرہیز' ہدیہ دینا اور قبول کرلینا' تعظیم و بے جاہداحی کی ناپسندیدگی' دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ۔ غرض ذات گرامی شرافت انسانی کے جملہ اوصاف وکمالات کی جامع تھی' ان کے واقعات سے حدیث کی کتابیں معمور ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا اثر: اسلام کی اصولی تعلیمات جستہ جستہ اسلام کی تاسیس وتکمیل اور حجتہ الوداع میں گزرچکی ہیں۔ ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ان تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربوں کی کایا پلٹ دی' جس کا ثبوت آئندہ صفحات میں ملے گا۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب کی خصوصاً اور سارے عالم کی عموماً جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جاچکی ہے' لیکن تھوڑی ہی مدت میں وہی عرب دنیا کے معلم اخلاق بن گئے اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم میں پھیلی' آج دنیا میں جہاں کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے' وہ اسلام ہی کے آفتاب عالمتاب کا پرتو ہے۔

خلافت راشدہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱۱ھ تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۲ تا ۶۳۴ء)

مختصر حالات: آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے قدیم رفیق' اسلام کے سب سے پرانے جان نثار' محرم اسرار نبوت' ثانی اثنین فی الغار' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے جانشین منتخب ہوئے۔ آپ کا نام عبداللہ' کنیت ابوبکر اور صدیق عتیق لقب ہے۔ والد کا نام قحافہ تھا۔ آپ قریش کی شاخ بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا۔ قریش کے نظام سیاسی میں خون بہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپ ہی کے گھر میں تھا۔ (کنز العمال ج۔۶' ص۔۳۱۲) اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شغل تجارت تھا۔ آپ ابتداء ہی سے سلیم الفطرت تھے' چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاق عرب کے عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اسی زمانہ کے لوگوں پر آپ کے حسن اخلاق' راست بازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور شرفائے مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ تقریباً آنحضرت ﷺ کے ہم عمر تھے۔ طبیعت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے۔ ان روابط کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جس وقت سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی شک و شبہ کے اس کی تصدیق کی۔ قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت ﷺ کے دست راست بن گئے اور راہ اللہ میں جان و مال اور عزت و آبرو سب نثار کر دی اور میدان جان نثاری میں کوئی دوسرا صحابی آپ سے

بازی نہ لے جا سکا۔ بعض مواقع پر گھر کا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کچھ اہل وعیال کے لیے بھی چھوڑا ہے تو عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ (ترمذی مناقب ابی بکر ؓ) کسی صحابی کی اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے' قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا اور مکہ کی پرخطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آنحضرت ﷺ کے پشت پناہ رہے۔ تبلیغ اسلام میں آپ ﷺ کی رفاقت کرتے' جہاں حضور تشریف لے جاتے ساتھ جاتے اور اپنے جاننے والوں سے آپ ﷺ کا تعارف کراتے۔ (کنز العمال ج۔۶' ص۔۳۱۹)

حضرت عثمان' حضرت زبیر بن عوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابوعبیدہ بن جراح' حضرت عثمان بن مظعون ؓ جیسے اکابر اور اساطین اسلام آپ ہی کی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے۔ کفار کے ظلم وجور کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ (بخاری باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین مکتہ)

حضرت بلال' عامر بن فہیرہ ؓ اور متعدد غلاموں کو جو اسلام کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم وجور کا نشانہ تھے' اپنے مال سے آزاد کرایا۔ ہجرت نبوی میں رفاقت کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ ہجرت کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کی زمین کی قیمت جو دو یتیموں کی ملکیت تھی' حضرت ابوبکر ؓ نے ادا کی۔ اس طرح مدینہ میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر حضرت ابوبکر ؓ کی مدد سے تعمیر ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷' ص۔۱۹۲)

غزوات بدر' احد' بنی مصطلق' حدیبیہ' خیبر' فتح مکہ' حنین و طائف وغیرہ تمام معرکوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور سب میں نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دیں۔ حدیث' سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کی تفصیل ہے۔

۹ھ میں امارت حج کا منصب تفویض ہوا۔ غرض آغاز اسلام سے لے کر وفات

نبوی ﷺ تک ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی جان نثارانہ رفاقت کی۔ آپ ﷺ پر ان کی ان قربانیوں کا اتنا اثر تھا کہ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ (بخاری باب فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ) اس رفاقت اور خدمات کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبوی کے محرم تھے۔ اس لیے وہ قدرتاً نیابت نبوی ﷺ کے سب سے زیادہ اہل و مستحق تھے اور آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا' چنانچہ آپ ﷺ کے مرض الموت میں' جب نقل و حرکت کی طاقت آپ ﷺ میں نہ رہی' اس وقت آپ ﷺ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو عطا فرمایا۔ (بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ) جو درحقیقت آپ ﷺ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے اس لیے آپ ﷺ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس کو توڑنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے صراحتہً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی تعلیم نے آپ ﷺ کے حاشیہ نشینوں میں ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی' کہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لیے آپ ﷺ نے آئندہ کے بارے میں تصریح سے سکوت فرمایا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت: مدینہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا۔ ہمیشہ سے موجود تھی اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی تھی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا' چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ

میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا۔ یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی۔ آپ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے' یہاں دیکھا تو دوسرا ہی گل کھلا ہوا تھا۔ انصار مدعی تھے کہ آنحضرت ﷺ کی جانشینی میں انہیں بھی حصہ ملنا چاہیئے اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہیئے' لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ اس لیے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا۔ یہ ہوسکتا تھا کہ تنہا انصاریوں کو ہی یہ منصب مل جاتا' لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اولاً خود قریش' پھر دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ پھر انصاریوں میں اوس وخزرج دو مقابل جماعتیں تھیں۔ ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا' دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا۔

اس نازک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور یہ برمحل تقریر کی ...... "کہ مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمہاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں' لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے۔ پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ابوعبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو" ...... یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں' ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے مقرب ہیں اس لیے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ (بخاری جلد ۱' ص ۵۱۸)

حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور حضرت ابوبکرؓ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمرؓ کی پیشقدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کے دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ بیعت عام کے بعد آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

''لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلادوں، اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے، اللہ اس کو ذلیل و خوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے، اگر میں اللہ اور رسولﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔'' (طبقات ابن سعد ج۔۳، ق۔اول، ص۔۱۲۹)

حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب : بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں توقف کیا۔ اس توقف نے مسلمانوں میں عجیب بحثیں پیدا کردی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرتﷺ کے ساتھ اپنے گوناگوں تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع تھے، لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہے

کہ خلافت نہ ملنے کے ملال میں آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانوں سے الگ رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر آپ نے خود اس توقف کا جو سبب بیان فرمایا وہ یہ ہے: میں آپ کی امارت ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن نہ جمع کر لوں گا اس وقت تک نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا"۔ (طبقات ابن سعد ج ۔۳ ق ۔۲ ص ۔۱۰۱)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف فرمایا کہ...... "آپ کو اللہ نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں' لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائداد میں' میں نے آپ ﷺ کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا ہے"...... اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذرخواہی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر)

قبائل میں شورش و انقلاب کا آغاز: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کے ساتھ ہوا' لیکن آپ نے اپنے تدبر' عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا۔ سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا۔ بہت سے قبائل نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسلام تو قبول کر لیا تھا' لیکن ان کے دلوں میں وہ راسخ نہ ہوا تھا' اس لیے آپ کی وفات کے

بعد وہ مرتد ہو گئے۔ دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ غرض حضرت ابو بکرؓ کے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ درپیش تھی، جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں رومیوں سے حضرت زید بن حارثہؓ کے خون کا انتقام لینے کے لیے ان کے لڑکے اسامہ بن زیدؓ کی ماتحتی میں شام بھیجنے کے لیے حکم دیا تھا۔ ابھی یہ مہم روانہ ہوئی تھی (بعض روایتوں کے مطابق روانہ ہو چکی تھی، لیکن تھوڑی دور جا کر آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سن کر رک گئی تھی) کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ کے بعد جب عرب میں انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے تو صحابہؓ نے مخالفت کی کہ ایسی حالت میں فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہیں ہے اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے، مگر حضرت ابو بکرؓ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں اس مہم کو جس کی روانگی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا، نہیں روک سکتا۔ (تاریخ الخلفا سیوطی ص۔ ۷۱)

اسامہ بن زیدؓ کی مہم: اور انہی انقلاب انگیز حالات میں فوج روانہ کی اور خود پاپیادہ مدینہ سے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لیے گئے۔ رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی سے بچنا، مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا۔ (طبری ص۔ ۱۸۵۰) چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا۔ بظاہر ایسے نازک وقت میں حضرت ابو بکرؓ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا۔ اس سے ایک طرف

تلوار اٹھائی جا سکتی ہے''۔ اس موقع پر بھی حضرت ابو بکرؓ نے اپنی دینی بصیرت اور عرفان شریعت سے فرمایا۔

''اللہ کی قسم جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا' اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا''۔

آپ کے اصرار پر حضرت عمرؓ کو بھی آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا' تو کل صوم وصلوٰۃ کے منکر ہو جائیں گے اور اسلام ایک تماشا بن جائے گا۔ غرض حضرت ابو بکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں۔ آپ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ میں خود گئے اور انہیں زیر کیا۔ آپ کی مستعدی اور استقامت سے چند دنوں میں تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ بعضوں نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کی۔ اس طرح صدیق اکبرؓ کی مذہبی بصیرت' اصابت رائے اور استقلال واستقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت ﷺ کے بعد دفعتہً بپا ہو گئے تھے' دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری' حالات منکرین زکوٰۃ)

فتوحات

ایران و روم کی مخالف حکومتیں: اندرونی انقلاب فرو کرنے کے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس زمانہ میں جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں کے درمیان میں گھرا ہوا تھا۔ ایران میں ساسانی اور شام میں رومی دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں۔ خصوصاً ایرانیوں نے کئی مرتبہ عرب کو زیرفرمان کرنے کی کوشش کی تھی' اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا ساپور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونوں کو باجگزار بنالیا تھا اور ساپور ذی الاکتاف ایک مرتبہ یمن و حجاز فتح کرکے مدینہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے ان کے شانے اکھڑوا دیا کرتا تھا۔ اس لیے عربوں میں وہ ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (اخبار الطوال ص ۔۴۹) لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے اور جب انہیں موقع ملتا تھا' ان سے گلوخلاصی حاصل کرلیتے تھے اور ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے' چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلی تھیں۔ اسی سلسلہ کے ایک فرمانروا نے خیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ غرض عربوں اور ایرانیوں میں نہایت قدیم رقابت چلی آرہی تھی۔ ایرانی عربوں کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا اور نامہ مبارک چاک کرکے پھینک دیا اور کہا۔ ''میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے''۔ اور فوراً یمن کے عامل کے نام آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کا فرمان لکھا۔ (ابن سعد ج ۔۱' ق ۔۱' ص ۔۱۱۶) پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا اس کے بعد اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا۔ اس وقت ساسانی حکومت اسے خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

ایران کی سیاسی حالت: اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے سب بھائیوں کو قتل کرا دیا۔ یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا۔ اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا۔ اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا۔ چند دنوں کے بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ ایک سال کے بعد یہ بھی مر گیا۔ اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اس لیے شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا۔ (اخبار الطّوال ابوحنیفہ دینوری ص ۱۱۶)

عراق پر عرب قبائل کا حملہ: ان پیہم انقلابات و حوادث نے ایران کی گزشتہ عظمت و شان برباد کر دی تھی اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اس وقت ایران کے ہم جوارانِ عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے تختہ مشق بنتے چلے آ رہے تھے' بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کر کے حرہ اور رابلہ پر تاخت شروع کر دی۔ گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہو چکا تھا۔ تاہم اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اس کو زیر کرنا عرب سرداروں کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے مثنیٰ نے مدینہ جا کر حضرت ابوبکرؓ سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود مسلمان تھے' لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا۔ مدینہ سے واپس ہو کر انہوں نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ (فتوح البلدان ص ۲۵۰) اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہو گئے۔

عراق پر فوج کشی اور فتوحات: اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پا چکے تھے' لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے

مثنیٰ کی درخواست پر حضرت ابو بکرؓ نے انہیں راستہ ہی سے ان کی مدد کے لیے عراق جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ فوجیں لیے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہو گئے اور مثنیٰ کو ساتھ لے کر بانقیا اور بار سوا کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے اور عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا...... "یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزو مند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو"۔ ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوا دیا اور خود خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ کے لیے نکلا' مقام کاظمیہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تا کہ میدان سے منہ نہ مڑنے پائے' لیکن مسلمانوں نے اس زنجیر آہن کے بھی ٹکڑے کر دیئے اور ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی میں ایک فوج گراں اس کی مدد کے لیے روانہ کر دی تھی۔ اس کو مقام مذار میں ہرمز کی شکست کی خبر ملی' اس لیے قارن یہیں ٹھہر گیا۔ ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مذار پہنچ گئی۔ خالدؓ کو خبر پہنچی تو وہ مذار پہنچے' دونوں میں مقابلہ ہوا' ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ ان کی تیس ہزار سپاہ کام آئی اور قارن' انوشجان اور قباد تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ (طبری ج ۴' ص ۔ ۲۰۲۷' ۲۰۲۸)

اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا۔ اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ دونوں سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہ اور کسکر کے تمام باشندوں اور عیسائی عربوں کو ساتھ لیتے ہوئے دلجہ میں آ کر خیمہ زن ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لیے بڑھے' ایرانیوں کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب میں چھپا دی اور خود آگے بڑھ کر صف آراء ہوئے۔ ایرانی پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' جب ایرانی

تھک گئے تو تازہ دم مسلمانوں نے کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیا۔ ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا اور بے شمار ایرانی مارے گئے اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا لیکن کچھ دور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا۔ (طبری ج۔۴' ص۔۲۰۳۱)

اس جنگ میں بہت سے عیسائی عرب بھی جنہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا' مارے گئے تھے۔ اس لیے اس کے انتقام میں تمام عیسائی قبائل بھمن جاذویہ سے جو الیس میں پڑا ہوا تھا جا کر مل گئے۔ کسکر کی فتح کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ الیس پہنچے اور ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دی۔ (طبری جلد۔۴' ص۔۲۰۳۱ تا ۲۰۳۷) الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے لیکن یہاں کے باشندے ان کا رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے۔ امغیشیا کے بعد خالد رضی اللہ عنہ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے۔ حاکم حیرہ نے پیش قدمی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزادیہ کو مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بھیج دیا تھا۔ اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا۔ اس لیے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے۔ فرات کے دھانہ پر آزادیہ کا مقابلہ ہوا' آزادیہ شکست کھا کر مارا گیا۔ (ابن اثیر ج۔۲' ص۔۲۹۸)

آزادیہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا۔ آزادیہ حیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا۔ اہل شہر نے دروازے بند کر لیے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ عرصہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر میں ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ عہدنامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا کہ "اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے"۔ ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور اگر حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی۔ اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں۔ (طبری ج۔۴' ص۔۲۰۳۷ تا

۲۰۴۱) مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالد کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب و جوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (ابن خلدون ج۔۲' ص۔۸۱)

اس دوران اردشیر مر گیا تھا' اس کی موت سے ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے پوری قوم متحد تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا دیا۔ ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی حفاظت کے لیے قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر انبار پہنچے' ایرانی فوجیں قلعہ بند تھیں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کر کے حملہ شروع کر دیا' لیکن ایرانی خندق کے اس پار سے تیر باری کر رہے تھے اس لیے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ نے بھی تیر باری کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے تیر برسا کر ہزاروں آنکھیں بیکار کر دیں۔ اس سے ایرانی گھبرا گئے اور خالد رضی اللہ عنہ نے خندق ٹپوا کر فوجیں پار اتار دیں۔ ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے۔ مسلمانوں کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان اور خطا ہو گئے اور انہوں نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔ (طبری جلد۔۴ص۔۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ و فتوح البلدان بلاذری ص۔۲۵۵)

خالد رضی اللہ عنہ نے انبار کا معرکہ سر کیا تھا کہ دوسری طرف بہرام چوبیں کالڑ کا تازہ دم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا۔ عربی قبائل میں تمر' تغلب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ (ابن اثیر جلد۔۲' ص۔۲۹) اس لیے انبار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالد عین التمر پہنچے۔ بہرام چوبیں کالڑکا بڑا متعصب تھا' اگرچہ عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا' لیکن اس نے قومی عصبیت میں انہیں آگے کر دیا۔ بعض ایرانی اس پر معترض ہوئے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لیے انہی کو ایک

دوسرے کے ہاتھ سے کٹانا چاہیے۔ مقام کرخ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ خالد نے عربوں کے سردار عقہ بن عقہ کو گرفتار کرلیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد عربوں نے سپر ڈال دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کرلی اور ان کی قوم فروشی کی سزا میں انہیں قتل کردیا۔ اس کے بعد ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے جو قلعہ میں محفوظ تھے' پہنچے۔ انہوں نے نکل کر مدافعت کی' لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بزور شمشیر قلعہ فتح کرلیا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔۲۵۵) اور معمولی خراج کے علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ (طبری ص۔۲۰۶۳)

عراق و شام کی سرحد و دومتہ الجندل میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عربی عیسائی قبائل' مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ غزوہ تبوک اسی سلسلہ میں ہوا تھا اور خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرکے مطیع بھی بنایا تھا۔ (ابن خلدون ج۔۲' ص۔۴۹) ان سازشوں کا سلسلہ اب تک قائم تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے تدارک کے لیے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جو قریب ہی موجود تھے۔ مدد مانگی' وہ فوراً پہنچے' اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ' خالد رضی اللہ عنہ کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا مگر جودی نہ مانا۔ اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور عیاض اور خالد رضی اللہ عنہ نے دومتہ الجندل کا محاصرہ کرلیا۔ جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا' خالد رضی اللہ عنہ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی باقی قبائل قتل کردیے گئے۔ (ابن اثیر ج۔۲' ص۔۲۰۳) ادھر خالد رضی اللہ عنہ دومتہ الجندل کی مہم میں مشغول تھے۔ دوسری طرف عراق میں عرب قبائل نے ایرانیوں کو عراق واپس لینے کے لیے ابھارا اور زرمہر اور روزبہ عربوں کو ساتھ لے کر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے۔ اس درمیان میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومتہ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کرکے حیرہ پہنچ

گئے اور قعقاع اور ابولیلیٰ کی مدد کے لیے‘ جو ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے خنافس جا رہے تھے‘ خنافس روانہ ہو گئے۔ عین التمر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ یہاں سے خالد رضی اللہ عنہ نے قعقاع کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس بھیجا۔ قعقاع نے حصید پہنچ کر زرمہر اور روزبہ کو شکست دے کر قتل کر دیا‘ باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی‘ عین اس وقت جب ابولیلیٰ یہاں پہنچے تھے انہیں دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے‘ خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع اور ابولیلیٰ وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شب خون مار کر ایرانیوں کو نہایت فاش شکست دی۔ دوسری طرف عرب سردار ربیعہ بن بجیر اور ہذیل عرب قبائل کو لیے ہوئے ایرانیوں کی مدد کے لیے بشر میں جمع ہوئے مثنیٰ نے بشر میں عربوں پر شبخون مارا۔ ہذیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے۔ (طبری ج ۴‘ ص ۲۰۶۰ تا ۲۰۷۰) اس کے بعد وہ بشر کے عرب جتھوں کو صاف کرتے ہوئے فرائض کے ارادے سے رضاب آئے۔

فرائض نہایت اہم مقام تھا۔ یہاں شام‘ عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس لیے اپنی حفاظت کے لیے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے۔ اور ان تینوں کی متحدہ فوجیں فرائض میں جمع ہوئیں۔ اس لیے خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے مقابلہ کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچ کر از سر نو فوجیں مرتب کیں۔ ایک طرف ایرانی‘ عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی۔ دوسری طرف تنہا مسلمان‘ درمیان میں فرات حائل تھا۔ ایرانی‘ رومی اور عرب نشہ نخوت میں فرات کو پار کر کے اس پار چلے آئے۔ لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں۔ لیکن ان کے جوش جہاد اور سرفروشی نے تینوں کو نہایت فاش شکست دی۔ شکست خوردہ فوجوں کے عقب میں دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے۔ اس لیے انہیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجیں برباد ہو گئیں۔ اس اہم معرکہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگ ملتوی کر کے مثنیٰ کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے۔

سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے ان سے نپٹنا ضروری تھا۔ اس لیے ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ کے مشورہ سے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا اور شام کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔ دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیانؓ مامور ہوئے۔ حمص پر ابوعبیدہ بن جراح' اردن پر شرحبیل بن حسنہؓ اور فلسطین پر عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ان سب کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ ان فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۱۱۵) مسلمانوں کی فوج کشی کے وقت ہرقل والی شام حمص میں تھا۔ اس کو مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہوسکیں' چنانچہ جس وقت مسلمانوں نے شام کی سرحد میں قدم رکھا اس وقت انہیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا سامنا ہوا۔ ان کی کثرت کا اندازہ کرکے مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی اور دارالخلافہ سے مزید فوجیں مدد کے لیے طلب کیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جو عراق میں تھے' حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰؓ کے ہاتھوں میں چھوڑ کر شام چلے جائیں۔ اس حکم پر فوراً شام روانہ ہوگئے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۱۱۵) اور راستہ میں حدرداء سوی' قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے۔ سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوج کشی کرکے یہاں کے بطریق کو شکست دی اور اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے (فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۱۱۹)

دوسری طرف عمرو بن العاصؓ فلسطین کے مورچہ پر تھے اور ان کے مقابلہ کے لیے اجنادین میں رومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع تھا۔ اس لیے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالد بن ولیدؓ عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لیے روانہ ہوگئے اور رومیوں کو

شکست دے کر اجنادین پر قبضہ کر لیا۔ اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا۔ کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا۔ ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔

علالت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف: جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیمار پڑے' پندرہ دن بخار رہا۔ آپ خلقتہً بہت ناتواں تھے۔ عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا۔ نشست و برخاست سے معذور ہو گئے۔ آپ کی علالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کرتے تھے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آئندہ اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا اور اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ان کی اہلیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے"۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے ہوئے تھے' انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درشتی مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا "جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے"۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو آپ نرم ہو جائیں گے"۔ ایک صحابی نے کہا۔ "آپ عمر رضی اللہ عنہ کی درشتی کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو آپ کیا جواب دیں گے؟" فرمایا میں عرض کروں گا "الٰہی! میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب سے اچھا تھا"۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا' ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا اور فرمایا اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی"۔ وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے

غلام کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ ﷺ کے عام مجمع میں سناؤ اور خود بالا خانہ پر جا کر حاضرین سے فرمایا کہ ''میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا' بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے''...... سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی' اس کے بعد حضرت عمر ﷺ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں۔ (طبقات ابن سعد ج۔۳'ق۔اول' ذکر وصیت ابی بکر ﷺ)

آخری وصیتیں اور وفات: انتخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد حضرت عائشہ ﷺ کو بلا کر فرمایا کہ ''میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا' میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں' اسے عمر ﷺ کے پاس بھجوا دینا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دینا''۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ ''میرے بدن پر جو کپڑا ہے اس کو دھو کر کفن دینا''۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے؟ معلوم ہوا دوشنبہ' پوچھا رسول اللہ ﷺ نے کس دن انتقال فرمایا تھا؟ عرض کیا اسی دن۔ فرمایا میری بھی یہی آرزو ہے۔ یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۱/ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوشنبہ کا دن گزرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا' انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت دو سال تین مہینہ اور دس دن۔ وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی۔ آپ ﷺ کی بیوی اسماء بنت عمیس ﷺ نے غسل دیا۔ عمر فاروق ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار کے پہلو میں' ساری عمر جس کی رفاقت میں گزری تھی' سپرد خاک کر دیئے گئے۔ وفات کے بعد عبداللہ' عبدالرحمٰن' اسماء اور عائشہ (ام المومنین) رضی اللہ عنہما کئی اولادیں یادگار چھوڑیں' ایک صاحبزادی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ: حضرت ابو بکر صدیق ﷺ تعلیم اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی ایسا کام نہیں ہونے پایا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں

نہ ہوا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ کو کل سوا دو سال مسلمانوں کی خدمت کا موقع ملا۔ اس قلیل مدت میں آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ گرانقدر خدمات انجام دیں اور آئندہ حکمرانوں کے لیے ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو دوسروں سے برسوں میں ممکن نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا کہ کسی امر میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے، گو عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی، لیکن جہاں ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے۔ جہاں تک فتوحات اور نظام خلافت میں وسعت کا تعلق ہے، خلیفہ ثانی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے زیادہ مہتمم بالشان تھا، لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمع اسلام کو گل کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا، جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے، انہوں نے اسلام کے ایک رکن اعظم، زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ اسلام کو زیروزبر کر دینا چاہتے تھے۔ ان نازک حالات میں محض ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روشن ضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استقلال نے بزور ان سے زکوۃ وصول کر کے انہیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا۔

ملکی انتظام: چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی کام میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے اس لیے آپ کے زمانہ میں جملہ امور عہد رسالت کے نظام پر قائم رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ تمام اہم امور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے انجام پاتے تھے۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے

نصیحتیں فرمائیں: اے یزید تمہاری قرابت داریاں ہیں' شاید تم ان کو امارت سے فائدہ پہنچاؤ۔ درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا' یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا''۔ (مسند احمد بن حنبل ج۔۱'ص۔۴۶)

مالی انتظام: عہد صدیقی میں زکوٰۃ'عشر'جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگیا تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی' اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق آزاد و غلام' ادنیٰ و اعلیٰ' مرد اور عورت' عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے' چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کیے۔ دوسرے سال بیس بیس درہم۔ اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا' فضل و منقبت اور شے ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں۔ (ابن سعد ق۔اول' ج۔۳' ص۔۱۵۱) آخر عہد خلافت میں بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اسی لیے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں مقرر نہیں فرماتے۔ جواب دیا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ (ابن سعد ق۔اول' ج۔۳' ص۔۱۵۱) اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے' اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا۔ (ابن سعد ق۔اول' ج۔۳' ص۔۱۵۱)

فوجی نظام: فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا' بلکہ عہد رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوش جہاد میں جمع ہو جاتے تھے۔ عہد صدیقی میں

اتنا البتہ اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستوں پر کر دی گئی۔ جن پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا' چنانچہ شام کی فوج کشی میں خالد بن ولید' یزید بن ابی سفیان' ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے علیحدہ علیحدہ دستے تھے اور سب کے امیر العسکر ابو عبیدہ تھے۔ فوجوں کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لیے مفید ہدایات فرماتے تھے' چنانچہ شام کے افسران فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں:

''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے' ان کو چھوڑ دینا' میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں' کسی عورت' بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا' کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا' کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا' نخلستان نہ جلانا' مال غنیمت میں غبن نہ کرنا' بزدلی نہ دکھانا''۔ (تاریخ الخلفاء ص۔۹۶)

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہیں ہے۔

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لیے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور باربرداری کے جانور خریدتے تھے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص۔۱۲) اور جہاد کے اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے بعض چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔ (کنز العمال ج۔۳' ص۔۱۳۲)

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ عہد رسالت میں ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے اور آپ نے ان کی تجدید و توثیق فرمائی اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے' چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق دیئے:

''ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں سے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں' ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔ (کتاب الخراج قاضی ابویوسف)

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور اس سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا۔ (کتاب الخراج قاضی ابویوسف)

تحفظ دین: خلافت کا مقصد تحفظ دین اور اس کے احکام کا قیام ونفاذ ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تحفظ دین میں بڑا اہتمام تھا۔ کوئی نئی بات جو عہد رسالت میں نہ تھی' نہ ہونے دیتے تھے' گو عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے اس کی ضرورت کم پیش آئی' لیکن جہاں اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تھا' اس کا تدارک فرماتے۔ اس میں احتیاط کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کتابی صورت میں قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ حدیثوں کی روایت میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے۔ تحفظ دین کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا محکمہ افتاء قائم تھا۔

تدوین قرآن: عہد صدیقی کا ایک کارنامہ کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین ہے۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیوں میں خصوصاً یمامہ کی جنگ میں حفاظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد شہید ہوگئی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظ قرآن کی شہادت کا یہ سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جمع قرآن کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسے میں کس طرح کروں'

لیکن حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آ گئی، چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہد نبوی میں کاتب وحی تھے، قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کو بھی اس بارگراں کے اٹھانے میں تامل ہوا، لیکن پھر ان کے ذہن میں بھی بات آ گئی، چنانچہ انہوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزاء اور حفاظ قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں مدون کر دیا۔ (بخاری ج ۲، باب جمع القرآن)

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مرتب نہ تھا، یعنی اس کی آیات اور سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام رکھے گئے تھے۔ یہ کام حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں انجام پایا، لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے۔ قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات و سورہ کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں اور حیات نبوی ﷺ میں قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی، موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے۔ البتہ کتابی صورت میں پورا قرآن مدون نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں یہی کام ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

"اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿یتلو صحفا مطهرة﴾ میں بیان فرما دیا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے۔ قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا، لیکن اس کے اجزا متفرق تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو جمع اور ایک جگہ کر دیا، جو ان کے بعد محفوظ رہا اور حضرت عثمانؓ نے اس کے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے"۔ (فتح الباری ج ۹، ص ۱۰)

حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ہیں کہ جب کوئی سورۃ آیت یا حکم نازل ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کاتب وحی صحابہؓ کو حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں کے بعد لکھا جائے اور جب ایک سورت ختم ہو جاتی تھی تو دوسری شروع ہوتی تھی، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بیک وقت آیات نازل ہوتیں تھیں، آپ انہیں مضمون

اور معنی کی مناسبت سے مختلف سورتوں میں لکھواتے تھے۔ اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات و سور کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی۔ آپ کی نمازوں کے سلسلہ میں اس قسم کی بہت سی روایات ہیں کہ فلاں فلاں وقت کی نماز میں آپ نے فلاں فلاں سورتیں پڑھیں‘ اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے نام بھی متعین ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں بخاری کی یہ روایت عہد نبوی میں ترتیب قرآن کا نہایت بین ثبوت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا کرتے تھے اور وفات کے سال دو مرتبہ سنایا۔ (بخاری باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی) یہ مسلم ہے کہ آپ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہو چکا تھا۔ اس لیے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ مرتب بھی تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جمع تھا اور وہ اس کا دور کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن جمع کیا تھا اور اس کو ایک رات میں تمام کر دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ فرمایا تو بیس دن میں پڑھا کرو‘ میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے‘ فرمایا تو پندرہ دن میں پڑھا کرو‘ میں نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں‘ فرمایا تو دس دن میں‘ میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے‘ فرمایا تو سات دن میں پڑھا کرو‘ اس سے زیادہ نہیں۔ (ابوداؤد کتاب الصوم باب فی کم یقراء القرآن) اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں پورا قرآن مرتب تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا دورہ کرتے تھے۔ حفاظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ اس قسم کی دو چار نہیں‘ معلوم نہیں کتنی روایتیں ہیں‘ لیکن ان کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔

علمی کمالات: جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اسرار

شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے۔قرآن‘تفسیر‘حدیث‘فقہ‘جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔قرآن پاک کے فہم و تدبر میں ایسا ذہن وقار اور نظر دقیق پائی تھی کہ ان کی نظر ان نکات تک بآسانی پہنچ جاتی تھی‘جن کی طرف عام صحابہ ؓ کا ذہن بھی منتقل نہ ہوسکتا تھا۔علم الانساب کے‘جو عربوں کا بڑا امتیاز علم تھا‘ بڑے ماہر تھے اور ان کا شمار ان علمائے انساب میں تھا جو سارے عرب میں منتخب مانے جاتے تھے۔(تاریخ الخلفاء ص۔۴۰)شعر وسخن سے ذوق تھا اور زمانہ جاہلیت میں شعر بھی کہتے تھے‘لیکن اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی۔ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے بعض اشعار نقل کیے ہیں۔اگرچہ آپ کوئی زبان آور خطیب نہ تھے لیکن تقریر نہایت موزوں اور موثر ہوتی تھی۔آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد شدت الم میں صحابہ کرام ؓ پر جو بدحواسی طاری ہوگئی تھی اس کو آپ ہی کی تقریر نے دور کیا تھا۔سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو آپ ہی کی تقریر نے ٹھنڈا کیا۔

سیرۃ الصدیق ؓ: ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب‘نرم خو‘متواضع‘ خاکسار اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے۔اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا۔خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے۔خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا‘چنانچہ بیت المال سے بقدر کفایت روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی تدبیروں میں صرف کرنے لگے۔رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلّہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے اور پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دوھ دیتے۔خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو‘جس کی بکری کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے‘بڑی فکر ہوئی۔آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔زہد و عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں قیام میں اکثر دن روزوں میں گزرتے تھے۔خشوع و خضوع کا

یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے۔ رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ عبرت پزیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے دفتر عبرت تھا۔ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا۔

چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے 'پرندو تم خوش نصیب ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں' کاش ابوبکر رضی اللہ عنہ تمہاری طرح ہوتا' بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے' یہاں تک کہ ''آواہ'' لقب ہوگیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج۔ ق۔ اول' تاریخ الخلفاء اور کنز العمال ج۔ ۶ میں اس قسم کے بکثرت واقعات ہیں)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

(۱۳ھ تا ۲۴ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء)

تذکرہ عمرؓ: جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر گئے تھے' چنانچہ ان کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے۔ آپ کا نام عمر رضی اللہ عنہ اور فاروق لقب ہے۔ آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا۔ قریش کے نظام میں سفارت اور فصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا۔ (عقد الفرید باب فضائل عرب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون میں سپہ گری اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی۔ معمولی نوشت و خواند سے بھی واقف تھے' معاش کا ذریعہ تجارت تھا۔ اسی سلسلہ میں دور دور کا سفر کر چکے تھے۔ ان سفروں نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا' اس لیے سفارت کا خاندانی عہدہ ان کے متعلق ہوا اور قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آ جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سفیر بن کر جاتے

تھے اور اپنے فہم و تدبر سے اس کو حل کرتے تھے۔ (استیعاب ترجمہ عمرؓ) ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسلام ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا' جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا' حضرت عمرؓ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اور اس کو ہر امکانی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرتے' لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے اس لیے آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ ان کے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی مناقب عمرؓ) یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ سنہ ۷ھ میں اسی دشمن اسلام کے بہن اور بہنوئی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہاں جا کر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کر دیا لیکن ان کی زبان کلمہ حق سے نہ پھری ان کا استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین میں ضرور کوئی بات ہے چنانچہ بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی' انہوں نے چند آیتیں سنائیں' یہ سحر آفریں آیات سن کر بے اختیار لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ اب تک کسی نے اعلانیہ عبادت کرنے کی جرات نہ کی تھی' بلکہ بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عمر فاروقؓ جب اسلام لائے تو دفعتاً حالت بدل گئی۔ یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے' انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی' آنحضرت ﷺ نے اس جرات پر فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ (یہ واقعات انساب الاشراف بلاذری ج۔ اول' طبقات ابن سعد ج اول قسم اول و اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ سے ماخوذ ہیں) گو دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح عمرؓ کو عماد قریش نہیں ستا سکتے تھے' پھر بھی جس حد تک ممکن تھا باز نہ رہے اور کئی سال تک حضرت عمرؓ ان کی سختیاں جھیلتے رہے اور اذن ہجرت کے بعد انہوں نے ہجرت کی مکہ چھوڑنے سے پہلے جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا' نماز ادا کی اور مشرکین سے برملا کہا جس میں جرات ہو باہر میدان میں آئے کسی نے ہمت نہ کی۔ (زرقانی جلد

اول ص ۔۳۷۱) ہجرت کے بعد بدر و احد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے۔ جنگ بدر میں اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ غزوہ تبوک میں آدھا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ (یہ واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرح انہوں نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا ان کی جرات و شجاعت اور جانثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ ایثار و قربانی میں حضرت ابوبکرؓ کے بعد ان کا ہی درجہ تھا۔ ان کی جانثاری و فداکاری اور خدمات اسلامی کی بنا پر ان کو بارگاہ نبوی میں جو تقرب و اختصاص حاصل تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی صحابی کو نہ تھا' آپ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (مستدرک حاکم جلد ۔۳ فضائل عمر)

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں آپ کی کوشش کو بڑا دخل حاصل ہے۔ آپ ہی نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اختلاف کا خاتمہ کیا۔ عہد صدیقی کے جملہ مہات امور میں حضرت ابوبکرؓ کے خاص مشیر اور دست راست رہے۔ ان کے ان گوناگوں فضائل اور اوصاف کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ وفات کے وقت ان کو اپنا جانشین مقرر کر گئے۔

خلافت: گو صحابہؓ میں حضرت عمرؓ کا تدبر' ان کی صداقت و حق پرستی اور ان کی اہلیت مسلم تھی' لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی۔ لوگ کسی قدر ڈرتے تھے' چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا' لیکن انہوں نے ان کے شبہات دور کر کے مطمئن کر دیا اور تمام اکابر صحابہؓ نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد جلد اول حالات استخلاف عمرؓ)

عراق کی مہم اور فتوحات: آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق میں

جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی۔ آپ کی بیعت کے سلسلہ میں عرب کے تمام حصوں کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا' لیکن ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر نہ کی۔ آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے آخر میں مسلمانوں میں حرارت پیدا ہوگئی اور بنی ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے ابوعبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا۔ عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی ازسرنو فوجی تنظیم کی' پوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی اور چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور عراقی اضلاع مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ میں پوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رسم کی امداد پر مامور کیا تھا۔ یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے نکل چکے تھے۔ دوسری طرف سے ابوعبید آرہے تھے۔ مقام نمارق میں ان کا اور جابان کا مقابلہ ہوگیا' ابوعبید نے اسے نہایت فاش شکست دی۔ اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا' لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی' بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر لیا' لیکن ابوعبید نے یہ کہہ کر جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہے اس سے بدعہدی نہیں کی جاسکتی۔ (اخبار

الطّوال دینوری ص ۔۱۲۱) چھڑا دیا' جابان کو شکست دینے کے بعد ابوعبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی' اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب وجوار کے ایرانی امراء نے اطاعت قبول کرلی۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا اور ایرانیوں کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا' ساتھ کر دیا۔مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں۔دوسری طرف مسلمان تھے ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا' لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امراء کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کرکے اس پار چلے گئے' دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔مسلمان جس میدان میں اترے تھے وہ نہایت ناموزوں تھا' ایرانی فوج میں دیوپیکر ہاتھی تھے جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اس لیے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانوں کو پیدل ہوجانا پڑا۔ گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا' ابوعبید رضی اللہ عنہ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا' لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا۔ابوعبید رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہوگئے' لیکن جگہ بہت کم تھی آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا۔اس لیے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہوگئے۔مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا۔آپ نے اس کے انتقام کے لیے پرجوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگادی۔عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر روانہ کی دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر

سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی۔ پوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مسلمان بویب خیمہ زن تھے اس لیے مہران سیدھا بویب آیا اور فرات کو عبور کر کے اس کے پار صف آرا ہوا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا' گذشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی میں بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے۔ اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہہ تیغ کر دیا اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔

ایرانیوں کا جوش: اس شکست اور ایرانی فوجوں کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ انہوں نے بوران دخت کو تخت سے اتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا۔ ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی۔ اس بغاوت میں بہت سے علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً حضرت عمرؓ کو اس صورت حال کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمرؓ کی تیاریاں: حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے تمام عرب کے نامور بہادروں' رئیسوں' خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا۔ آپ کی دعوت پر سارا عرب امنڈ آیا۔ انہیں ساتھ لے کر آپ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا مگر اکابر صحابہؓ نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں۔ (فتوح البلدان ص۔۲۶۴) اس لیے آپ نے حضرت سعد بن ابی

وقاص ؓ کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے اور عہد رسالت میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے‘ سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں اس فوج میں ستر بدری صحابی‘ تین سو بیعت رضوان کے جانثار‘ اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے۔ حضرت عمر ؓ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس لیے فوج کی نقل و حرکت‘ اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سعد بن ابی وقاص ؓ کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا‘ حضرت عمر ؓ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم اور پیش قدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجیں۔ (طبری ج۔۴‘ ص۔ ۲۲۲۳‘ ۲۲۲۹) شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص ؓ نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر ؓ نے اسے دیکھ کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ (طبری جلد۔۴‘ ص۔ ۲۰۳۹) اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لیے دربار ایران بھیجا جائے۔

اسلامی سفارت: اس حکم پر سعد بن ابی وقاص ؓ نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے ایرانی لشکر میں بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسلام پیش کیا‘ رستم نے پوچھا تم کس ارادے سے آئے ہو؟ مسلمانوں نے جواب دیا یزدگرد کے! دونوں میں گفتگو ہوئی آخر میں مسلمانوں نے کہا کہ ہماری نبی کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہاری زمین پر قابض ہوں گے‘ رستم نے ان کی تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے۔ عمرو بن معدی کرب یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کے لیے یہ فال نیک ہے‘ رستم کے بعد لوگوں نے یزدگرد کے پاس جا کر اسلام پیش کیا‘ اس نے جوش غضب میں کہا اگر سفیروں کو قتل

کرنا جائز نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی گردن سلامت نہ لے جا سکتا اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انہیں کیوں آنے دیا۔ (بلاذری ص۔ ۲۶۴) رستم کو مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ جنگ سے بچنے کے لیے حیلے ڈھونڈتا تھا' چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی اور سعد بن ابی وقاص ﷛ کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لیے دوبارہ آدمی بھیجیں' انہوں نے مغیرہ بن شعبہ ﷛ کو چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا' رستم نے انہیں مرغوب کرنے کیلئے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا' مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ نہ تھی نیام کی بجائے چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے' اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے' دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی' آخر رستم نے انہیں طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو ہم تم کو اتنا دینے کے لیے تیار ہیں۔ مغیرہ نے جواب دیا کہ بیشک ہم بھوکے تھے' لیکن اللہ نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا' جس کے اتباع سے ہماری بدبختی' خوش بختی سے بدل گئی۔ اس نے ہم کو اپنے معاندین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم تم کو ایک اللہ کی پرستش اور نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا' ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی' یہ سن کر رستم جوش غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و مہتاب کی قسم کل طلوع صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ مغیرہ ﷛ یہ سنکر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان ص۔ ۲۶۵' ۲۶۶)

قادسیہ کی جنگ: اس گفتگو کے بعد ہی فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں۔ صبح ہوتے ہی قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔

مسلمان پہلے سے تیار تھے' محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوئے' عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ کو عرق النساء کا دورہ ہوا وہ نقل و حرکت سے مجبور

ہو گئے' اس لیے اپنی جگہ خالد بن ارفظ کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا' ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکامات بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہ۔ یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا۔ عین لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سفراء ممتاز بہادروں کے لیے تحائف لائے اور میدان جنگ میں اعلان کیا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان بہادروں کیلئے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کریں۔ اس امتیاز کے حصول کیلئے مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی فوج کام آئی' اس کے بڑے بڑے ممتاز نامور افسر مارے گئے۔ دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہوگئی اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔ رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا' یہ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہیبت ناک تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بدکتے تھے' مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رخ کر دیتی تھی صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی۔ یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں' قعقاع رضی اللہ عنہ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہوگئی اور جھرجھری لے کر بھاگا اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی' اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انہوں نے پوری قوت

کے ساتھ حملہ کر دیا' اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ' نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ دن بھر ہنگامہ کا بازار گرم رہا۔ رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی۔ دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا' لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا راستہ میں ایک ندی تھی اس میں کود کر نکل جانا چاہا مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا۔ ندی سے نکال کر قتل کر دیا' اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا لیکن ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص ﷛ نے حضرت عمر ﷛ کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی' حضرت عمر ﷛ کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ سے باہر نکل جاتے تھے۔ اس لیے سعد بن ابی وقاص ﷛ کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا' اس سے حالات پوچھے' وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا' اس لیے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر ﷛ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے' اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہیں' اس وقت وہ سراسیمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں' تم حالات بیان کرتے جاؤ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص ﷛ کا خط انہیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی۔

"مسلمانوں میں بادشاہ نہیں ہیں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود اللہ کا غلام ہوں' البتہ خلافت کا بوجھ میرے اوپر ڈالا گیا ہے' اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکتا کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے' اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو

میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہو گی اور غم زیادہ۔ (یہ پوری تفصیل طبری سے ملخصا ماخوذ ہے دیکھو جلد۔ ۵' ص۔ ۲۲۳۵' ۲۳۶۸)

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ : قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں نے بابل میں اجتماع کیا تھا اس لیے قادسیہ میں دو مہینہ قیام کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بابل روانہ ہو گئے' لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے' بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملہ کرنے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں' اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا' انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے۔ جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی ''دیوان آمدند'' ''دیوان آمدند'' کہہ کر بھاگ نکلے' ایک افسر خرزاد نے معمولی سی مزاحمت کی۔ لیکن مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کا وقت قریب تھا' ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا۔ مدائن کے خزانہ میں صدیوں کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرہ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں۔ یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھجوا دیئے ان نوادر میں نوشیروان کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلم کو پہنایا گیا

جس وقت اس نے اسے پہنا' جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور انقلاب دہر کا عجیب عبرت ناک منظر سامنے آ گیا' فرش بہار سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا' اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ اس میں اس عہد کی ساریاں ثنائیاں صرف کر دی گئی تھیں' بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے' سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزاں آ گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔ (طبری نے ان نوادر روزگار اشیاء کی پوری تفصیل لکھی ہے دیکھو جلد ۵' ص ۲۴۵۰ و مابعد)

جلولاء کا معرکہ: مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولاء کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیئے اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور قعقاع رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا۔ انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا' لیکن اولاً جلولاء خود نہایت مستحکم شہر تھا دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا اس لیے کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر فتح کیے ہوئے نہ ٹلیں گے بالآخر کئی مہینے کی لڑائیوں کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے جلولاء فتح ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حلوان پر قبضہ: یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا۔ اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے اور خسرو دشنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرا دی کہ "جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا" اس اعلان کے بعد بہت سے امراء دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جلولاء عراق کا آخری مقام تھا اس کے بعد

عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ: عراق کے زیر نگین ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہو سکتے اور نہ ہم ان پر' مال غنیمت کے مقابلہ میں مجھ کو مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے۔ (طبری جلد ۵' ص ۲۴۶۴) مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا۔ پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا' لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ میں آ گئی اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع کیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمرؓ کے خیالات معلوم تھے اس لیے انہوں نے ان کو حالات لکھ بھیجے۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لیے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارہ کار نہ تھا اس لیے آپ نے عبداللہ بن غنمؓ کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ: اس حکم پر وہ ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے' لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی۔ عبداللہؓ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیج کر انہیں ملا لیا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دو پاٹوں کے درمیان پڑ کر پس گئے اور تکریت پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے پھر عیاض بن غنمؓ کو مامور کیا۔ انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ' حران' نصیبین' میافارقین' سمساط' سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین کر لیا۔

خوزستان: عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے یہاں ایک

اسلامی شہر بصرہ آباد ہو چکا تھا۔ اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس لیے بصرہ کی حفاظت کے لیے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا لیکن چند دنوں کے بعد وہ پھر باغی ہو گیا۔ اس وقت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے انہوں نے ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا۔ اہواز کے بعد سوس فتح کیا سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کر دی جائے تو عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا' یزدگرد نے منظور کر لی اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی آپ نے فوراً عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ ہو جائیں۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے۔ ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انہیں روکا بہت سے مسلمان کام آئے لیکن آخر میں وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا۔ اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانوں کو لے کر تہ خانہ کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے' مسلمان باہر منتظر تھے۔ شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے۔ ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ

لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھیں۔ مغیرہ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے۔ راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا کہ اہل عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بد بخت' فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو' ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا' ورنہ تمہاری نعشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں گی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا' تمہارا جیسا خیال ہے بیشک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے' لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے رکاب میں ہے۔ اس لیے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک کو فتح نہ کر لیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں۔ غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کے علاوہ ایسی جنگ نہ ہوئی تھی' مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے' ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گرے' زخم مہلک تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو۔ چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور و شور کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا' اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ

آ سکے۔ عرب مورخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اختتام جنگ کے بعد معقل رضی اللہ عنہ‘ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے‘ کچھ کچھ جان باقی تھی۔ اس حالت میں بھی زبان سے نکلا مسلمانوں کا کیا انجام ہوا‘‘ جواب ملا اللہ نے فتح دی فرمایا الحمدللہ‘ عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دو‘ یہ مژدہ سن کر جان‘ جان آفرین کے سپرد کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا۔ فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن جب نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیئے۔

ایران پر عام لشکر کشی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرزمین ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے‘ لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے‘ یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے‘ اس کا اظہار بھی کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ اس لیے وہ باغی ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی تردید کی‘ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المومنین اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے‘ جب تک وہ باقی رہے گا۔ اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے اس لیے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے‘ جب تک ہم کو اندرون ملک فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ کے استیصال کی اجازت نہ ملے گی اس وقت تک یہ صورت قائم رہے گی جب تک وہ بادشاہ سے مایوس

نہ ہوں گے اس وقت تک خاموشی سے نہ بیٹھیں گے۔ حضرت عمرؓ نے احنف کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے۔ اس وقت تک یہ فتنہ و فساد ختم نہ ہو گا۔ اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوج کشی کا فیصلہ کیا اور ایران کے مختلف حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کیے۔ احنف بن قیسؓ کو جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا خراسان کی مہم جہاں یزدگرد مقیم تھا سپرد ہوئی' اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو' اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو' فسا کا ساریہ بن رہم کنانی کو' کرمان کا سہیل بن عدی کو' سیستان کا عاصم بن عمر کو' مکران کا حکم بن عمیر کو' آذربائیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا۔ یہ لوگ ۲۱ھ میں اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا۔

اصفہان: اس سلسلہ میں سب سے اول عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی' یہاں کا رئیس اسبیدان سواد اصفہان میں فوجیں لیے موجود تھا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی' عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں ایک خونریز معرکہ ہوا۔ شہریار نے مبارزطلبی کی' عبداللہ مقابلہ میں آئے۔ شہریار مارا گیا' اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اسبیدان نے صلح کر لی۔

ہمدان کی بغاوت: نعیم بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تھے۔ ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی' نعیم نے بغاوت فرو کر کے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا' اہل ہمدان نے صلح کر لی لیکن اس کے بعد ہی ویلم رے اور آذربائیجان کے روسا' ابو انصر خان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے' نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لیے نکلے' وادی رود میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی

مجھے اپنے پاس روکے رکھو' بکیر نے روک لیا اسی درمیان میں عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کر لی اور بکیر' حضرت عمرؓ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے ان کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام عقب کی طرف سے بڑھا لیکن عتبہ نے شکست دے دی اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہو گئی اور عتبہ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح آذر بائیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہو گیا۔ یہ طبری کا بیان ہے۔ (طبری ج۔۵' ص۔۲۶۶ و مابعد) بلاذری کے بیان کے مطابق آذر بائیجان کو حذیفہؓ نے فتح کیا تھا۔

آرمینیہ: آذر بائیجان کے بعد آرمینیا کا علاقہ تھا' اس پر شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۲۳ھ میں حملہ ہوا' لیکن فتح نہ ہو سکا تھا' اس لیے جس زمانہ میں آذر بائیجان پر فوج کشی ہوئی۔ اسی زمانہ میں سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن نے دوبارہ آرمینیا پر فوج کشی کی تھی اور اس وقت آرمینیہ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی' بکیر بن عبداللہ بھی آذر بائیجان سے فراغت کے بعد آرمینیہ پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے۔ آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا' چنانچہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کر سکتا اس لیے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے ہو اس لیے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں' لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنوں (ارمنی) کے مقابلہ میں کمزور نہ کرو' اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰن نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا' انہوں نے کہا جزیہ تو ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمرؓ کو اطلاع دے دی' انہوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۲) باب سے فراغت کے بعد

سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا' بکیر نے موقان والوں کو مطیع بنایا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مملکت خز کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضار تک بڑھتے چلے گئے۔

فارس : فارس پر حملہ کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے' چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آ سکتے' لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ والی بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا' لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا' اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا افسوس ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لیے فوجیں بھجوا دیں' انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی ماندہ مسلمانوں کو بچا لیا۔ اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے' اہل فارس اس وقت فوج میں جمع تھے لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت ان کے لیے متعین کر دی گئی تھی' سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے۔ اس لیے اہل فارس بھی فوج سے منتشر ہو گئے ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعودؓ سابور اور اردشیر حرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے شکست دے کر توج کو فتح کر لیا اور دوسری طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اصطخر کی طرف بڑھے یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی۔ عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کر لیا۔ اصطخر کے بعد گازرون' نوبندجان' شیراز' ارجان' سینیز اور خباب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارہ سے فارس میں بغاوت ہو گئی اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے لیکن حکم بن ابی العاص نے فارس

کے مرزبان شہرک کو قتل کر کے بغاوت کو قابو میں کیا۔ فارس کے بعض مقامات فسا اور دارالجبر وغیرہ رہ گئے تھے۔ ساریہ بن رنیم نے سب سے آخر میں ان پر فوج کشی کی۔ ان کے مقابلہ کے لیے ایرانیوں اور کردوں کا ٹڈی دل امنڈ آیا۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی' لیکن ساریہ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا اور فسا اور دارالجبر پر قبضہ ہو گیا۔

کرمان: کرمان کی مہم سہل بن عدی کے متعلق تھی۔ فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا۔ چنانچہ ۲۳ھ میں سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی۔ اہل کرمان قفس وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لیے نکلے۔ سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیوں نے شکست کھائی' یہاں کا مرزبان مارا گیا۔ اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہو گیا۔

سیستان: کرمان کے بعد عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سیستان پر فوج کشی کی اہل سیستان روکنے کے لیے بڑھے۔ مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور دور تک بڑھتے چلے گئے۔ زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کر کے دریا کا بند کھول دیا۔ سارے سیستان میں سیلاب آ گیا۔ اہل سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے۔ مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی گزر جاتے تھے کہ چھو نہ جائے۔ (ابن اثیر ج ۳ص ۱۷)

مکران: سیستان ایران کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا' چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے' یہاں کا فرمانروا راسل سندھ کے حکمران کی مدد سے مقابلہ میں آیا۔ دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی' اس شکست میں

مکرانیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی۔ حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دے کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا۔ آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا' انہوں نے ان الفاظ میں یہاں کی برائیوں کا نقشہ کھینچا: ارض سہلہا جبل ومائوھا وشل وثمرھا وقل وعدوھا بطل وخیرھا شر وشرھا طویل والکثیر بھا قلیل حضرت عمرؓ نے فرمایا' واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام۔ صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہوں۔ یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے۔ چنانچہ مشرق میں فاروقی فتوحات کی آخری سرحد ہے۔ (طبری جلد۔۵' ص۔۲۷۰۷ و مابعد) لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ تک فوجیں پہنچ گئی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو خلافت فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ: ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ خراسان کی مہم احنف بن قیسؓ سے جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا متعلق ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی لیکن چونکہ خراسان کی فتح ساسانی حکومت کا دمِ واپسیں تھی اس لیے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا۔ خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا۔ مقدس آگ ساتھ تھی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا۔ اس لیے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مروشاہجہان کا رخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا۔ مروشاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد مرو الروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مرو الروز پہنچ گئے یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا' احنف بھی

تعاقب میں پہنچے' یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔ یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔ احنف نے مروالروز واپس ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ لکھا۔ آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا۔ اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک' فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا۔ احنف اس وقت مروالروز میں تھے۔ یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا' کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکل گئے۔ احنف نے یکے بعد دیگرے تینوں کو قتل کر دیا' خاقان نے اس سے فال بد لی' اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ سمجھ کر مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کیلئے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے۔ فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا۔ ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں' معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے۔ ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہیں' عہد کے پابند ہیں' اس لیے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے' لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جا رہی ہے تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا۔
یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیوں نے احنف کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ

سمت سے خالد بن ولید ؓ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے ابوعبیدہ ؓ مصالحانہ، لیکن ابوعبیدہ ؓ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ (طبری جلد ۴، ص ۔۲۱۵۳، ۲۱۵۴) یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی۔

اردن کی فتح : دمشق شام کا مرکزی شہر تھا۔ اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے روکنے کے لیے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں۔ لیکن پھر مسلمانوں کے استقلال کو دیکھ کر انہوں نے مصالحت کی کوشش کی لیکن مفاہمت نہ ہوسکی اور ذی قعدہ ۱۴ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا۔ کل رعایا ذمی قرار دی گئی۔ عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک زمین مکان، گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کر دی گئیں۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۔۱۲۱)

حمص وغیرہ کی فتح : دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لیے ابوعبیدہ ؓ اور خالد حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی۔ شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنوں تک مدافعت کرتی رہی۔ لیکن مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا اس لیے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر میں صلح کر لی۔ حمص کے دوران میں ابوعبیدہ ؓ نے حماۃ شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لیے حمص کی تسخیر کے بعد یہاں عبادہ بن صامت ؓ کو چھوڑ کر ابوعبیدہ ؓ لاذقیہ روانہ ہو گئے یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ ابوعبیدہ ؓ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا۔ لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمر ؓ کا حکم پہنچ گیا کہ اس

سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لیے رک جانا پڑا۔ ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش و خروش: دمشق اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا۔ انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں۔ ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد‘ اسلحہ اور سرو سامان ہر چیز میں کم ہیں‘ پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے‘‘ اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا‘ ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ ’’عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں‘ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں‘ دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے‘ آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں‘ بدکاریاں کرتے ہیں‘ وعدہ کی پابندی نہیں کرتے‘ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں‘ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں۔ (فتوح الشام ازدی تمتہ ذکر فتح حمص) مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلہ میں رومیوں کی درماندگی دیکھ کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ چلے جانے کا قصد کیا لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آ گئی اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لیے فرامین جاری کر دیئے‘ رومی پہلے سے جذبہ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے‘ قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان آمڈ آیا۔

مسلمانوں کی تیاریاں: رومیوں کی یہ پر جوش تیاریاں دیکھ کر ابوعبیدہؓ نے افسران فوج سے مشورہ کیا‘ سب نے مختلف رائیں دیں۔ آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں‘ چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا‘ چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے جزیہ کی رقم

جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی' انہیں واپس کردی گئی اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔ دمشق میں اجتماع کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی۔ رومیوں کی تیاریوں کا حال سن کر اہل مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا اور ہر شخص سربکف میدان جنگ میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کردی۔

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ: اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا' اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی' اس لیے ابوعبیدہؓ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کردیں' قریب ہی مقام دیرالجبل میں رومیوں کا ٹڈی دل آکر خیمہ زن ہوا۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی' رومیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے وہ مقدس راہب تک جنہوں نے کبھی حجرہ عبادت سے باہر قدم نہ نکالا تھا۔ خانقاہوں سے نکل کر عام سپاہیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی' لیکن سب منتخب بہادر تھے۔ ان میں ایک سو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ تھے' رجب ۱۵ھ میں پہلا مقابلہ ہوا' اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو گئی۔ التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے سفیر طلب کیا' ابوعبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور دوبارہ رومی بڑے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آئے' آگے آگے مقدس پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے ہوئے' یسوع مسیح کا نام لے کر جوش دلا رہے تھے' تین ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ میدان سے منہ موڑنے کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے۔ یہ جوش و خروش دیکھ کر خالد بن ولید نے ازسرنو فوجوں کو مرتب کیا اور اس کو جدید طریقہ سے چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے صف آرائی کی۔ مسلمانوں کے صف

آراء ہوتے ہی رومیوں نے نہایت جوش کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ میں رہا۔ رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا۔ اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل توڑ دی۔ چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ (طبری اور فتوح البلدان ازدی اور بلاذری وغیرہ میں یرموک کی جنگ کی تفصیلات نہایت طویل ہیں ہم نے مختصر ضروری خلاصہ لکھا ہے) یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مژدہ فتح بھیجا' آپ کئی دن سے انتظار میں سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر سن کر سجدہ میں گر پڑے۔ یرموک کے معرکہ نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے یوقا' جومہ' سرمین' توزی' قورس تل عزاز اور رلوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لیے اور حلب' قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن کوئی بڑی قوت ان کی مددگار نہ تھی اس لیے انہوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد اطاعت قبول کر لی۔

بیت المقدس کی فتح: اوپر گزر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی' انہوں نے نابلس' لد' عمواس اور بیت جبرین وغیرہ فلسطین کے علاقے آسانی سے فتح کر لیے' فلسطین بلکہ سارے شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا۔ درمیان میں یرموک وغیرہ کی مہم پیش آ جانے کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے۔ یرموک کے بعد جب رومیوں کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا۔ اس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا عیسائیوں

نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا اس دوران میں ابوعبیدہ ؓ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس لیے آخر میں صلح کے لیے تیار ہو گئے اور یہ شرط پیش کی کہ امیر المومنین خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمر ؓ کو اس کی اطلاع دی گئی' آپ نے منظور فرما لیا اور حضرت علی ؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے۔ تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ مقام جابیہ میں انہوں نے آپ کا استقبال کیا ان کے بدن پر دیبا وحریر کی پرتکلف قبائیں تھیں۔ حضرت عمر ؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آ گیا اور کنکریاں مار کر فرمایا تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں' فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ (طبری جلد ۱' ص ۲۴۰۳) بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے چنانچہ یہیں معاہدہ لکھا گیا اس پر تمام معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ یہ عہدنامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا تھا' اس لیے بجنسہ اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

"یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے' نہ ان کو یا انکے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا' ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ ان یونانیوں

میں سے جو شہر سے ملے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے۔ جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے‘ اس کے لیے بھی امن ہے اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہو گا۔ ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی جائے مقصود تک نہ پہنچ جائیں اس تحریر پر اللہ‘ رسول اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہیں اس پر خالد بن ولید‘ عمرو بن العاص‘ عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیانؓ گواہ ہیں‘ ۱۶ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا‘‘

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں‘ جان و مال اور مذہب اس معاہدہ میں یہ تینوں چیزیں محفوظ قرار دی گئیں۔ یہودیوں کا بیت المقدس سے اخراج‘ عیسائیوں کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے یونانی گو مسلمانوں کے حریف مقابل تھے لیکن بیت المقدس میں ان کے قیام کی صورت میں ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں اور نکل جانے کی صورت میں بھی جان‘ مال اور عبادت گاہیں محفوظ قرار دی گئیں ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے۔ ابوعبیدہؓ وغیرہ افسران فوج نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا‘ فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے اس لیے انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی‘ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لیے بس ہے‘ اور اسی لباس میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ بیت المقدس میں کئی

دن حضرت عمرؓ کا قیام رہا۔ ایک دن حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ امیر المومنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹی کھاتے ہیں اور عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا' انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں نہایت ارزاں ہیں' حجاز میں جس قیمت میں روٹی اور کھجور ملتی ہے۔ یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے اس جواب پر آپ انہیں منع تو نہ کر سکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیوں کی خوراک بھی مقرر کر دی۔ (فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس) ایک دن آپ نے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی انہوں نے فرمایا میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہوں گا' لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ بلالؓ جب اذان دینے لگے تو صحابہ کی نگاہوں کے سامنے عہد نبوی ﷺ کا سماں پھر گیا سب کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ روتے روتے بےتاب ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی ہچکی بندھ گئی۔ (فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس) حضرت عمرؓ بیت المقدس سے واپسی میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

حمص کی بغاوت: (جزیرہ سوٹاپامیا) جو عراق کا حصہ ہے اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا۔ اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے اس لیے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا۔ انہوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں یہ سہارا پا کر قیصر نے امدادی فوجیں روانہ کر دیں۔ دونوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔

خالد بن ولیدؓ کی معزولی: شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں

سب سے اہم واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا ہے۔ عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا لیکن یہ روایت صحیح یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے چنانچہ جن مورخین نے اسے عام روایت کے مطابق ۱۳ھ میں لکھا ہے وہ بھی ۱۷ھ ہی صحیح سمجھتے ہیں چنانچہ ابن اثیر نے ۱۳ھ میں بھی لکھ دیا ہے لیکن خود ان کی رائے یہی ہے کہ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں فی ھذہ السنۃ وھی سنۃ سبع عشرۃ عزل خالد بن ولید (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۷)

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانبازی کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین محاذ جنگ میں اسے معزول کر دیا۔ اس کے علاوہ اور حیثیتوں سے بھی سبق آموز ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہیں بھیجتے تھے۔ انہوں نے ان کو فہمائش بھی کی۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا۔ (اصابہ جلد ۲' ص ۹۹' ۱۰۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی۔ ان کے زمانہ میں بھی یہی روش قائم رہی' آپ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دیں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں۔ اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو' لیکن اس وقت بھی خالد اپنی ضد پر قائم رہے۔ (اصابہ جلد ۲' تذکرۃ خالد رضی اللہ عنہ) اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ میں انہوں نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے

ڈالی۔حضرت عمرؓ نے ان سے باز پرس کی اور ابو عبیدہ کو لکھا کہ اگر خالد نے یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی' دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔جو قاصد یہ حکم لے کر گیا تھا اس نے خالدؓ سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہاں سے دی ہے اس وقت بھی خالد نے کوئی جواب نہ دیا اس لیے قاصد نے بھرے مجمع میں نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا میں انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی۔خالدؓ نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کے لیے تیار ہوں۔(طبری ج۔۵' ص۔۲۵۲۸)

اس واقعہ سے خالدؓ کی حق پرستی اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ' دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے لیکن دم نہیں مارتا۔ معزولی کے بعد خالدؓ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی' داخل کر دی' حضرت عمرؓ نے فرمایا "خالد! واللہ! تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں اور عمال کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ ان کے کارناموں سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لیے میں نے ان کو معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے"۔(طبری جلد۔۵' ص۔۲۵۲۸)

طاعون عمواس: ۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا' اس میں بہت سے مسلمان فوت ہو گئے۔بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہو گئے۔حضرت عمرؓ کو بڑا تردد پیدا ہوا۔آپ خود انتظام کے لیے شام روانہ ہوئے' لیکن مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جا رہا ہے اس لیے صحابہ کے مشورے سے لوٹ آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو بھی واپس بلا بھیجا۔انہوں نے جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہو گا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔(مسلم باب الطاعون)

حضرت عمر یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور ابوعبیدہ ؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو۔ اس حکم پر انہوں نے فوجیں جابیہ میں جہاں کی آب و ہوا مشہور تھی، منتقل کر دیں۔ (فتح الباری ج ۱۰، ص ۱۵۹) ابوعبیدہ ؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا، اس لیے جابیہ آنے کے بعد اس میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ انتقال سے پہلے معاذ بن جبل ؓ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ عمرو بن العاص ؓ نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہیے، حضرت معاذ ؓ میں بھی مذہب کا نشہ تیز تھا۔ انہوں نے تقریر کی کہ ''یہ بلا نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہے۔ اس میں بڑے بڑے صلحاء نے انتقال کیا ہے''۔ یہ تقریر کر کے گھر واپس ہوئے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا، وہ دیکھتے دیکھتے اٹھ گیا لیکن معاذ ؓ کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا، بالآخر انہوں نے بھی اسی بیماری میں جان دی اور عمرو بن العاص ؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے، انہوں نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا۔ اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان فوت ہوئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمر ؓ نے انتظام کے لیے دوبارہ شام کا قصد کیا اور اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کیے۔ فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا۔ متوفی مسلمانوں کے ورثہ کو ان کا ترکہ دلایا، فوج میں جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں، ان پر نئے عہدہ دار مقرر کیے، سرحدی مقامات میں جا کر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے، ابھی ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب میں قحط ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر ؓ نے نہایت مستعدی سے انتظامات کر کے ہزاروں مسلمانوں کو بھوکا مرنے سے بچا لیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو یعقوبی جلد ۲، ص ۱۷۷)

قیساریہ کی فتح: طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہو چکا تھا۔ ایک قیساریہ جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا، باقی رہ گیا تھا اس پر

کئی مرتبہ فوج کشی ہوئی مگر فتح نہ ہو سکا بالآخر امیر معاویہ ﷛ نے ۱۹ھ میں اسے فتح کیا' قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات: شام کے زیر نگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوج کشی ہوئی اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاص ﷛ کے سر ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی اس کے علاوہ مصر پر دوسری فوج کشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام میں کم از کم اس کے سرحدی علاقے میں شورش بپا کرا سکتے تھے اس لیے شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاص ﷛ نے حضرت عمر ﷛ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی' آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا لیکن پھر عمرو بن العاص ﷛ کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی۔

حضرت عمر ﷛ سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاص ﷛ نے ۲۱ھ میں مصر پر فوج کشی کی اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے' یہاں کی رومی فوجوں نے روکا۔ عمرو بن العاص ﷛ نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ (ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۲۲۰)

فسطاط کا محاصرہ اور فتح: فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا' لیکن یہاں حکومت مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ عمرو بن العاص ﷛ نے ان کا محاصرہ کر لیا قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ اس لیے عمرو بن العاص ﷛ نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجیں' حضرت عمر ﷛ نے حضرت زبیر بن عوام ﷛ اور

چند صحابہ رضی اللہ عنہ کو دس ہزار فوجیں دے کر بھیجا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا' کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعض اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا' فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ (ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۲۲۰)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مقوقش فرمانروائے مصر نے صلح کر لی اور مقوقش قیصر روم کے ماتحت تھا' قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے مقوقش کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی اور اسی وقت ایک لشکر گراں قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی تسخیر: مقوقش صلح پر قائم رہے۔ اس لیے اب گویا مسلمانوں کا مقابلہ رومیوں سے تھا۔ رومی فوجیں اسکندریہ میں تھیں اس لیے ۲۱ھ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا' راستہ میں جا بجا رومیوں اور ان کے ساتھ قبطیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے۔ مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا' مسلمانوں نے نہایت فاش شکست دی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۲۲۷' ۲۲۸) اس کے بعد پھر کسی نے راستہ میں روکنے کی جرات نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ مقوقش فرمانروائے مصر بذات خود لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن قیصر روم کے خوف سے نہ علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا اور نہ کوئی دوسری صلح کر سکتا تھا اس لیے وہ بظاہر مقابلہ میں ڈٹا رہا لیکن خفیہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے طے کر لیا کہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہے۔ اس لیے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانوں کی مدد

بھی کرتے تھے۔(خطط مقریزی ج۔اول،ص۔۲۶۳)

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا۔مگر کامیابی نہ ہوئی،حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش ہوئی تھی۔انہوں نے عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش وعشرت میں پڑ گئے ہو،ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی،"میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کرو"اس خط پر عمرو بن العاصؓ نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا اور عبادہ بن صامت کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہو گیا۔اسی وقت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوا دی۔(خطط مقریزی ج۔اول،ص۔۲۶۲ میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے)

متفرق فتوحات: سکندریہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ فسطاط واپس آئے۔اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا۔لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے خارجہ بن حذافہ عدی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا،خارجہ نے فیوم،اشمونین،اخیم،سرمادات وغیرہ سعید مصر کے علاقوں کو مطیع بنایا اور عمیر نے تینس،دمیاط،تونہ،دمیرہ،دقہلہ،شطا وغیرہ اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند دنوں میں پورا مصر زیر نگین ہو گیا۔(تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان ص۔۲۲۴)

طرابلس الغرب کی تسخیر: مصر کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور سب سے اول برقہ کا محاصرہ کیا۔یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔برقہ کے بعد عقبہ بن نافع کو زدیلہ بھیجا،یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی۔(فتوح البلدان ص۔۲۳۱،۲۳۲)عمرو بن العاصؓ نے طرابلس الغرب پر فوج کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا(تفصیل کے لیے

دیکھو ابن اثیر جلد ۳، ص ۱۹)

حضرت عمرؓ پر حملہ اور آپ کی شہادت: ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پارسی غلام ابولولو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اسے کم کرانے کی درخواست کی' آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہیں' ابولولو نے کہا دو درہم روزانہ' پوچھا تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا آہنگری نجاری اور نقاشی' فرمایا ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی' ابولولو نے دفعتہً بڑھ کر مسلسل چھ وار کیے حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے' آپ کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز تمام کرائی۔ کچھ لوگ ابولولو کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے' اس نے انہیں بھی زخمی کر دیا' مگر آخر میں پکڑا گیا' گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کر لی۔ نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اٹھا کر لائے گئے' پوچھا میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا' فیروز۔ فرمایا الحمدللہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ زخم نہایت کاری تھا' بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ آپ کو آقائے نامدار کی قربت میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی اس لیے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لیے مخصوص رکھی تھی۔ لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔ عبداللہؓ واپس آئے' آپ نے پوچھا کیا جواب لائے' عرض کیا جو آپ چاہتے تھے فرمایا' سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ (مستدرک حاکم جلد ۳' ص ۱۱' ۱۳)

جانشین: اس وقت سب سے اہم مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا اس میں مختلف قسم کی

پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لیے آپ کی وفات سے پہلے صحابہ کرام نے آپ سے جانشین نامزد کرنے کے لیے درخواست کی۔ آپ کے لیے یہ مسئلہ ہمیشہ سے اہم تھا اور اکثر آپ زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے۔ لیکن کسی پر نظر نہ جمتی تھی۔ اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ فرمایا جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے۔ (یعقوبی جلد۔۲' ص۔۱۵۴) بالآخر لوگوں کے اصرار پر حضرت علی' عثمان' زبیر' طلحہ' سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم چھ آدمیوں کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی' نامزد کر کے فرمایا' ان میں جس پر کثرت رائے ہو جائے اسے امیر بنانا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد چھوؤں آدمیوں کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں کسی کا انتخاب نہ ہو جائے اس وقت تک نہ کھولنا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ (آپ کے صاحبزادے) مشورہ میں شریک رہیں گے۔ لیکن امارت سے انہیں کوئی تعلق نہ ہوگا۔ کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا۔ (ابن سعد جلد۔۳' ق۔ اول' ص۔۲۴۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ذکر حالات وفات وغیرہ عمر رضی اللہ عنہ)

آخری وصیت: نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین' انصار' اعراب' اہل عرب اور ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیوں سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے' ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ (ابن سعد ج۔۳' ق۔ اول' ص۔۲۴۶) قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے' اپنے صاحبزادے

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کرنا۔ اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا' اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔

وفات : ان وصیتوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن اس دنیا کو خیر باد کہا' وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔ انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ساڑھے دس سال۔

اولاد :وفات کے بعد حسب ذیل اولادیں یادگار چھوڑیں۔ عبداللہ' عاصم' عبدالرحمٰن' زید' مجیر رضی اللہ عنہ ان میں تین اول الذکر اولادیں زیادہ نامور ہوئی۔ اولاد اناث میں ام المومنین حفصہ اور رقیہ رضی اللہ عنہما تھیں' آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف انتساب حاصل کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا۔

فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت' محاصل کی فراوانی' انتظامات کی خوبی' جور و ظلم کے انسداد' عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام' ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف و کمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لیے طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں' دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔

فتوحات پر تبصرہ : آپ کے دس سالہ دور حکومت میں ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم و جور کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔ فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران و

اسلام نے ان میں ایسا جوش عزم' استقلال' ہمت' حوصلہ مندی' دلیری' اخلاق' حمیت عدل و انصاف' دیانت و راست بازی پیدا کر دی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس میں ایسی جلا دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ : فتوحات سے بڑھ کر حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسے آئین حکومت مرتب کر دیئے ایسا عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دور ترقی میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آئندہ سطور میں اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا۔

شوریٰ : اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کو قائم کیا۔ اس نظام میں کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہؓ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا۔ (طبری ص ۔ ۲۵۷۴) خاص خاص حالات میں عامہ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا آپ فرمایا کرتے تھے لاخلافة الا عن مشورة (کنزالعمال ج ۔ ۳' ص ۔ ۱۳۹) حضرت عمرؓ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بندی کی رکھی تھی اور اس کو عملاً متعدد مواقع پر واضح کیا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ "تمہارے مال میں سے مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لے لوں گا۔ میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بے جا طور پر جمع کیا جائے اور نہ بے جا طور سے صرف ہونے پائے۔ دوسرے یہ کہ میں تمہارے روزینہ بڑھاؤں' سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں" (کتاب الخراج ص ۔ ۶۷) ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ' میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے میں نہیں چاہتا کہ تم میری

خواہشات کی پیروی کرو"۔ روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لیے اہل الرائے صحابہ کی مجلس شوریٰ تھی۔ اس کے ممتاز ارکان یہ ہیں۔ حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت ؓ۔ (کنز العمال ج۔۳، ص۔۱۳۴) اس کے علاوہ مہمات امور کے لیے ممتاز مہاجرین وانصار کی خاص مجلس ہوتی تھی ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ معمولی مسلمان برسر عام حضرت عمر ؓ کو ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات عام طور سے معلوم ومشہور ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا۔ آپ نے دس سالہ عہد حکومت میں نہایت وسیع نظام قائم کر دیا تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ مشرق میں خراسان، آذربائیجان اور فارس کے تین صوبے علیحدہ تھے۔ ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ، میر منشی، دفتر فوج کا میر منشی، کلکٹر، افسر پولیس، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا، لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی۔ اضلاع میں صرف کلکٹر، افسر، خزانہ اور قاضی ہوتے تھے۔ (طبری ص۔۲۶۴) چنانچہ کوفہ میں حضرت عمار بن یاسر ؓ والی، عثمان بن حنیف ؓ کلکٹر، عبداللہ بن خلف ؓ میر منشی تھے۔

عہدہ داروں کا انتخاب: دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے۔ حضرت عمر ؓ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کے لیے جس کو منتخب کر لیتے تھے دوسرا اس کے لیے نہ مل سکتا تھا۔ اس لیے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجہ کمال تک پہنچا دیتا تھا۔ عہد فاروقی کی فتوحات اور انتظامی ترقیاں اس کی شاہد ہیں۔ اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے۔

عمال کے اختیارات فرائض اور ان کا محاسبہ: انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے۔ اس باب میں حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی' جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا' وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ (طبری ص۔ ۲۷۴۷ و اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان) کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا' باریک کپڑے نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' دروازہ پر دربان نہ رکھے گا' اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ (کتاب الخراج ص۔ ٦٦) عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دی جاتی تھی' واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا اس سے بازپرس کی جاتی تھی اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ (فتوح البلدان ص۔ ۲۲٦) تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے۔ (طبری ص۔ ۲٦۸۰) چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے۔ حضرت عمرؓ اس کا فوراً تدارک فرماتے تھے۔ حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے اس لیے شکایت معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا اگر کوئی عامل بلاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں اسے سزا دیتے تھے جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ (قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں دیکھو کتاب مذکور ص۔ ٦٦) کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے' عمال کو ترفع' شان عجب و غرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے۔ جس عامل کے بارہ میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے' اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے۔ عیاض بن غنمؓ عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے

اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتا پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں۔ (کتاب الخراج ص۔۶۶) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی اور بہت سے عاملوں کو اس قسم کی سزائیں دیں، عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا۔

صیغہ عدالت : ابتداء میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے، لیکن جب پورا نظام قائم ہو گیا تو قضا کا محکمہ مستقل کر دیا۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ قاضی مقرر کیے اور قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا، جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"امابعد! قضاء ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور معزز آدمی کو رورعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے، اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کیلئے ایک میعاد مقرر کر دو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو۔ ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو، یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں سب مسلمان ثقہ ہیں" (یہ فرمان طبقات الفقہا وبیہقی اور ماوردی بہت سی کتابوں میں ہے)

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ:

مقدمات میں اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو اگر قرآن میں وہ صورت

مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو"۔ (کنز العمال ج۔۲' ص۔۱۷۴)

قضاۃ کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لیے انہی بزرگوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا علم' تقویٰ' ذہانت اور قوت فیصلہ مسلم تھی' چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے' کوفہ کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح دوسرے مقاموں کے جمیل بن العمر ابو مریم حنفی رضی اللہ عنہ' سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ' عبدالرحمٰن ربیعہ' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ابو قرہ کندی وغیرہ۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہو سکتا ہے۔ کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لیتے تھے۔

رشوت کے انسداد کے لیے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم تھی۔ (فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج۔۳' ص۔۲۴۷) یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولت مند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہو سکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہو گا (اخبار القضاۃ محمد بن حلف الوکیع) ان احتیاطوں کے ساتھ قضاۃ کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف میں مساوات کے لیے عملی کوششیں کیں۔ قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لیے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کچھ نزاع ہو گئی۔ ابی رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ زید نے تعظیم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر اپنے فریق ابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر

ؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی ؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمر ؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابت ؓ نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے ابی ؓ سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر ؓ اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر ؓ دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضاء کے قابل نہیں ہو سکتے۔ (کنز العمال ج ۳، ص ۱۷۴)

آپ کے ایوان عدالت میں ادنیٰ واعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی قانون کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا۔ ارکان حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عہدہ داران حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہیں، فرمایا اٹھ کر بدلہ لو۔ عمرو بن العاص ؓ بھی موجود تھے انہیں برسر عام عمال حکومت کی توہین ناگوار ہوئی۔ حضرت عمر ؓ سے کہا "امیر المومنین! اس طرز عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے، فرمایا لیکن میں ایسا ضرور کروں گا اور مستغیث کو حکم دیا" کہ اپنا کام کرو، آخر عمر بن العاص ؓ نے مستغیث کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعویٰ سے باز آ جائے۔ (کتاب الخراج ص ۶۶) اپنے بیٹے ابوشحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اسی کوڑے مارے۔ اس کے چند دنوں کے بعد وہ قضاء کر گئے۔ (ابن جوزی نے سیرۃ عمر بن الخطاب یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس کو صحیح نہیں سمجھتے دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۳۶ و ما بعد) قدامہ بن مظعون ؓ کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے۔ (ابن سعد تذکرہ قدامہ بن مظعون) اس قبیل کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے۔

پولیس: قیام امن کا مدار پولیس پر ہے۔ حضرت عمر ؓ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا۔ پولیس کو احداث کہتے تھے۔ قیام امن کے علاوہ پولیس کے متعلق احتساب کی

خدمت بھی تھی۔

جیل خانے: عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا۔ غالباً اسی کی تلافی کے لیے جرائم کی سخت سزائیں مقرر تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیل خانے قائم کیے۔ مکہ میں صفوان ابن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا۔ (مقریزی ج۔۲' ص۔۱۸۷) اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔ (فتوح البلدان ص۔۴۶۸) جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں' مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کی بجائے قید کی سزا مقرر کی۔

صیغہ محاصل: عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی' اس لیے وہ خراج و محاصل کے نظم ونسق سے نا آشنا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا' لیکن چونکہ عرب اس سے نامانوس تھے' اس لیے ابتداء میں اس کی مخالفت ہوئی' چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امراء فوج نے اس کی مخالفت کی اور ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے فاتحین کو بطور جاگیر کے دے دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے' اس لیے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا اور بڑے بحث ومباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا۔ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کر کے زمینوں کا بندوبست کرایا۔ اس بندوبست میں زمینداری اور تعلق داری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا' زمینیں ان کے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مال گزاری تشخیص کر دی گئی۔ اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی۔ شاہی خاندان کی جاگیروں' آتش کدوں کے اوقاف' لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عام کے کاموں

کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا اور زمینوں پر اتنی مال گزاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجائش باقی رہے۔ محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس میں ظلم و زیادتی کا تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا اور اس کی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار درہم ہو گئی۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ میں عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہیں ہم نے صرف ضروری باتیں لکھی ہیں)

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا' بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علیٰ حالہٖ قائم رکھا گیا۔ مثلاً مصر میں رومیوں کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا' لیکن رومی حکومت خراج کے مقرر مقدار کے علاوہ اپنی فوج کیلئے جو رسد لیتی تھی اسے موقوف کر دیا۔ مصر کی پیداوار کا دارومدار دریائے نیل پر ہے اس کے مدوجزر کے تناسب سے پیداوار میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اور چونکہ یہ مدوجزر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا۔ اس لیے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی شرح معین نہ تھی۔ ہر سال کی پیداوار کا کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی تھی اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی۔ نقدی مال گزاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اروب غلہ سے زیادہ نہ تھی اور یہ شرح استمراری تھی یعنی اس میں کبھی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ شام میں قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے اور بہت سی اصلاحیں کیں۔ مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکان دولت اور افسران فوج کی جاگیر میں تقسیم

تھا۔ ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ توڑ دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں دے دیں اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا۔ مدتوں یہ قانون جاری رہا۔ عباسی دور میں لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو امام مالکؒ اور نافع بن یزیدؒ وغیرہ ائمہ مذاہب نے اس پر اعتراض کیا (مقریزی جلد اول خراج مصر میں اس کی پوری تفصیل ہے ص۔۱۵۸ تا ۱۶۲) ان ممالک کے آباد شدہ عربوں کیلئے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کر دیا۔ ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن المحاضرہ جلد۔۱، ص۔۹۳) زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گی، لیکن لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا۔ اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

محکمہ آبپاشی: زراعت کی سیرابی کے لیے نہریں جاری کیں۔ بند باندھنے، تالاب بنانے، پانی کی تقسیم کے لیے دہانے بنانے، نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کے لیے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا۔ مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام میں لگے رہتے تھے (حسن المحاضرہ جلد۔۱، ص۔۷۲) نہروں کے حالات آئندہ آئیں گے۔

اور مختلف قسم کی آمدنیاں: خراج کے علاوہ آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ جس میں چاندی، نقد، سکہ، مویشی، تجارتی سامان وغیرہ سب کی زکوٰۃ کی آمدنیاں شامل تھیں۔ خراج غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ اور بیسواں حصہ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ اور مال غنیمت، زکوٰۃ مسلمانوں

کے ساتھ مخصوص تھی۔ عشور تجارتی ٹیکس تھا اس کو اسلام میں سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارتی سامان لے کر جاتے تھے۔ ان سے وہاں کی حکومتیں دس فیصدی ٹیکس لیتی تھیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بیرونی تاجروں کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا۔ ذمیوں کے لیے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانوں کے لیے ڈھائی فیصدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں نہایت ممتاز ہے اس لیے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی۔ جزیہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بیت المال: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال قائم ہو گیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی' لیکن آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی تھی اس کو ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس لیے اس کے معمور ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال قائم کیے اور ان کے لیے وسیع عمارتیں بنوائیں اور ان پر نہایت لائق اور دیانت دار افسر مقرر کیے۔ دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے' کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' اصفہان کے خالد بن حرث' کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔ (طبری حالات آبادی کوفہ) بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی۔ یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال بھیج دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے' چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے

کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیج دو۔ (کنز العمال ج۔۲' ص ۔۱۶۳)

صیغہ فوج: حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغہ فوج قائم کیا اور قریش و انصار کے نام درج رجسٹر کرا کے باختلاف مدارج ان کی تنخواہیں مقرر کیں' جن کی مقدار دو سو بیس درہم سالانہ سے لے کر پانچ ہزار سالانہ تھی۔ (کتاب الخراج ص۔۲۴ مقریزی جلد اول ص۔۹۲ بلاذری ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطابؓ) تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے۔ جن لوگوں کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی۔ ان کے غلاموں کو بھی اتنی ہی ملتی تھی ان میں دو قسم کے تھے ایک جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے یہ گویا باقاعدہ فوج تھی دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہتے تھے اور ضروریات کے اوقات میں طلب کیے جاتے تھے۔ انہیں ہم آج کل کی اصطلاح میں رضاکار کہہ سکتے ہیں' لیکن تنخواہیں دونوں کو ملتی تھیں۔ سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے جنہیں جند کہتے تھے' چنانچہ مدینہ' کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' مصر' دمشق' حمص' اردن وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے' بلکہ کوفہ' بصرہ اور فسطاط فوجی ضرورت ہی کیلئے آباد کیے گئے تھے ان مرکزوں میں صیغہ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے۔

۱۔ فوجوں کے لیے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار دستہ تیار ہو جائے۔ (طبری ص۔۲۵۰۴)

۲۔ ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں' مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ (چراگاہوں کے تفصیلی حالات خلاصۃ الوفا میں

فوج کی صحت وتندرستی اور آرام و آسائش کا خاص اہتمام تھا۔ ۱۷ھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تو حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز و شاداب مقام پر چلی جایا کریں۔ (طبری ص ۲۴۸۲)

چھاؤنی کے انتخاب میں آب و ہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ بارکیں وسیع تعمیر کی جاتی تھیں اور ان کے لیے کھلے میدان چھوڑ دیئے جاتے تھے' گرم ملکوں پر سردیوں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی تھی۔ فوجوں کے لیے شہسواری' تیر اندازی' تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی۔ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا آرام کے لیے ملتا تھا۔ ہر چہار مہینہ میں رخصت ملتی تھی۔

فوج کا اسٹاف: افسر خزانہ' محاسب' مترجم اور طبیب و جراح پر مشتمل تھا۔ (طبری ص ۲۲۲۵) سفر مینا یعنی راستہ صاف کرنے' سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی۔ (مقریزی جلد اول ص ۱۶۳) خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے' جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں' ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں رہتی تھی اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا۔ ان کے علاوہ شعبہ فوج کی اور بہت سی تفصیلات ہیں' جنہیں طوالت کے خیال سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

شعبہ تعلیم: خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی اشاعت کی۔ مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے اس لیے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا۔ عہد صدیقی میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔ اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں

کے مراتب کو ملحوظ رکھا' چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جس کا تعلق عبادات' معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا' باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں' لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں۔

فقہ کی خدمت: عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لیے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ خود لوگوں کو فقہی مسائل بتاتے تھے۔ خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے۔ اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے۔ یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ (کتاب الخراج ص ۶۷) عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہاء اور معلم مقرر کیے۔ صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ (اسد الغابہ ترجمہ عبدالرحمٰن بن معقل) ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں۔ غرض فاروقی عہد میں تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا۔

تعمیر مساجد: مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر کرائیں۔ شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ (مقریزی جلد ۲' ص ۲۴۶ و حسن المحاضرص ۱۲۳' ج ۲) کوفہ میں ہر ہر قبیلہ کی مسجد علیحدہ تعمیر کرائی۔ روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدیں

تعمیر کرائیں اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کیے۔

تبلیغ اسلام: بحیثیت خلیفہ رسول کے سب سے مقدم فرض اسلام کی تبلیغ تھا۔ آپ نے اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے اور آپ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی لیکن جبر سے نہیں بلکہ اسلام کے محاسن کی تبلیغ کے ذریعہ، آپ جبری اسلام کے خلاف تھے۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کیا تو انہوں نے لا اکرہ فی الدین کہہ کر چھوڑ دیا۔ (کنز العمال ج۔ ۵، ص۔ ۴۹) آپ نے تبلیغ اسلام کی مختلف شکلیں اختیار کیں۔ جب کسی ملک پر فوج کشی ہوتی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کو جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو۔ تبلیغ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذاہب والوں کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے جسے دیکھ کر وہ خود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سلسلہ میں اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیم و ارشاد اور احتساب سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا جسے دیکھ کر غیر قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھیں۔ شام کی فتوحات میں رومیوں کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا۔ (طبری ص۔ ۲۰۹۸) مصر کے شہر شطاء کا ایک معزز رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوگیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ (مقریزی جلد اول ص۔ ۲۲۶) دمشق کی فتح کے بعد یہاں کا بشب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ (معجم البلدان جلد۔ ۷، ص۔ ۱۷۳، ذکر قنطرہ سنان) اس کے علاوہ فاروقی عہد میں اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومیں مسلمان ہوئیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان مورخین نے اشاعت اسلام کے مستقل حالات نہیں لکھے ہیں صرف ضمناً جابجا اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

جلولاء کی فتح کے بعد یہاں کے متعدد بڑے بڑے امراء اور روساء نے بطیب

خاطر اسلام قبول کرلیا۔ (فتوح البلدان ص۔۲۷۴) قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہوگیا۔ یزدگرد کے مقدمتہ الجیش کا افسر سیاہ کئی سو بہادروں کے ساتھ مسلمان ہوگا۔ ان کے اسلام سے سیابجہ‘ زط اور اندغار کئی قومیں جو ایرانی فوج میں بھرتی تھیں۔ مسلمان ہوگئیں۔ (فتوح البلدان ص۔۲۸۹) مصر کے قصبہ بلہیب کے کل باشندے مسلمان ہوگئے۔ (فتوح البلدان ص۔۳۸۲) دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور ورادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی جلد اول ص۔۱۶۶) شہر فسطاط میں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں آباد ہوا مسلمانوں کے کئی محلے تھے۔ غرض حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

حرم کی توسیع: حرم محترم کی عمارت تنگ تھی۔ ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار کھچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا۔ (مقریزی جلد اول ص۔۱۸۴) کعبہ پر نطع کا (جو ایک معمولی کپڑا ہے) غلاف چڑھا کرتا تھا۔ آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا (بخاری باب بنیان الکعبہ و احکام السلطانیہ ص۔۱۵۴)

مسجد نبوی کی توسیع: مسجد نبوی کی توسیع کی‘ ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کردیا۔ پہلے مسجد کا طول سو گز تھا اس تعمیر میں بیس کا اضافہ ہوا مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوادیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا‘ یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آکر باتیں کریں۔ (فتوح البلدان ص۔۵۴)

رفاہ عامہ کے کام: حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہ عامہ کے بہت سے کام ہوئے زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضروریات کے لیے متعدد نہریں کھدوائیں‘ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) نہر ابوموسیٰ: بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی اس سے گھر گھر پانی کا افراط ہوگیا۔ (خاصۃ الوفاص۔۱۳۲، ۱۳۳)

نہر معقل: دوسری نہر معقلؓ کے اہتمام میں تیار ہوئی۔

نہر سعد: یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھدوائی تھی۔ لیکن درمیان میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے نامکمل رہ گئی اور حجاج بن یوسف کے زمانے میں پوری ہوئی۔

نہر امیر المومنین: سب سے بڑی نہر نہر امیر المومنین تھی۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا اور مصر کے جہازات براہ راست مدینہ کی بندرگاہ تک آنے لگے اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا۔ (فتوح البلدان ص۔۳۶۵، اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی میں ہیں)

۲۔ بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ تاریخوں میں کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانوں کی تفصیل ملتی ہے (فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ)

۳۔ سڑک اور پلوں کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ عموماً مفتوحہ قوموں کے معاہدہ میں شرط ہوتی تھی کہ وہ پل اور سڑک بنائیں گی۔ طبری نے ۱۶ھ کے ایک معاہدہ میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ کاشتکار سڑک اور پل بنائیں گے اور بازار لگائیں۔ (طبری ص۔۲۴۷۰) کتاب الخراج میں بھی اس قسم کا معاہدہ مذکور ہے۔ (کتاب الخراج ص۔۸۰) سیوطی نے لکھا ہے کہ پلوں کی تعمیر نہروں کی صفائی اور اس

قسم کے بعض دوسرے کام بیت المال کے صرف سے انجام پاتے تھے۔
(حسن المحاضرہ جلد۔ا،ص۔۶۳)

۴۔ مکہ اور مدینہ مرکز اسلام تھے۔لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے۔ ۱۷ھ میں مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں' سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔(طبری ص۔۲۵۲۹)

عدل و مساوات: اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا اس کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی اصلاح و فلاح کی فکر ہے۔اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔آپ کے ایوان عدالت میں شاہ و گدا ادنیٰ و اعلیٰ' خویش و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔

غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل: کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور اس کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و انصاف کا نمونہ تھا۔عرب کی ہمسایہ دو حکومتیں تھیں۔روم اور فارس یہی دونوں حکومتیں فاروقی عہد میں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں۔ان دونوں حکومتوں کا طرز عمل خود اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلاموں سے بدتر تھا تو دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر۔لیکن جب یہی قومیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں تو دفعتہً ان کی حالت بدل گئی اور انہیں ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی۔کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔جان' مال اور مذہب ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں' وہ سب انہی کے ماتحت میں آتے ہیں۔حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ قوموں کے ان بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا۔بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے۔

''یہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر (رضی اللہ عنہ) نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان و مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی' نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی مذہب کے بارہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ (طبری فتح بیت المقدس) یہ حقوق صرف ایلیا والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو ان کے عہدناموں میں موجود ہیں۔ اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کی جان' مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے' ان میں سے کسی شے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ (طبری ص۔۲۶۵۸) آذربائیجان کے معاہدہ میں ہے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔ (طبری ص۔۲۶۶۲) موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہیں سب معاہدوں کا نقل کرنا طول عمل ہے صرف چند بطور مثال لکھ دیئے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً عمال کو ان کے معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فاتح شام کو لکھا:

''مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے' ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو' اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پورا کرو''۔ (کتاب الخراج ص۔۸۲)

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے قصاص لیتے تھے' ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا تو آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔ (الدرایہ فی تخریج الہدایہ)

ذمیوں کے املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے۔ ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو

بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔ (کتاب الخراج ص۔۶۸) اوپر گزر چکا ہے کہ مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں جمع زیادہ تو نہیں تشخیص ہوگئی۔ (کتاب الخراج ص۔۶۸) اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے' چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی ہے (کتاب الخراج ص۔۶۵)

جزیہ کی بحث: اس سلسلہ میں ذمیوں سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانوں سے نہ لیا جاتا تھا لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا۔ ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور مسلمان اس کے لیے مجبور تھے۔ اکثر معاہدوں میں اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا"۔ (طبری ص۔۲۶۸۴)

آذربائیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔ "جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائے گا۔ (طبری ص۔۶۹۰)

چنانچہ جب کبھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔ (طبری ص۔۲۲۹۷)

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ میں جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو جزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار

افواج نے شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے گا۔ (فتوح البلدان ص۔۱۴۳ و کتاب الخراج ص۔۸۱)

غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی میں صرف کیا جاتا تھا۔ مسلمان بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیوں کو دینے پڑتے تھے۔ مثلاً زکوۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ پھر جزیہ کی وصولی میں سختی نہ برتی جاتی تھی جہاں کہیں حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہو جاتا آپ سختی سے روکتے تھے۔

شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے۔ سبب پوچھا معلوم ہوا جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے۔ پوچھا کیوں؟ معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔ (کتاب الخراج ص۔۷۱) نادار بے کس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی۔ حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ:

"اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے' یا کوئی آفت آئے یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا"۔ (کتاب الخراج ص۔۸۵)

یہ معاہدہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا۔ آپ نے اسے قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہیں' یہ سن کر آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد دے کر داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ کلام اللہ کی آیت انما

الصدقات للفقرآ والمساکین میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔ (کتاب الخراج ص۔۷۲)

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور سے یہ تھا کہ:

''میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے' یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے' اسے پورا کیا جائے ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے'' (یہ وصیت حدیث کی کئی کتابوں میں ہے)

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟

رعایا کی خبر گیری: رعایا کی خبر گیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے باوجودیکہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا' لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات کی جانب سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی۔ کبھی کوئی حاجب و دربان نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو آپ تک پہنچنے میں دقت نہ ہو۔ روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو آزادی سے کہہ سکے چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے۔ (کنز العمال ج۔۲'ص۔۳۲۰) باہر سے جو وفود آتے تھے تمام حکام کو طلب کرتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو پیش کرے۔ مدینہ اور اس کے اطراف میں خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا۔ آپ اس کی خبر گیری اور

حفاظت کیلئے تشریف لے گئے۔ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچے کے رونے کی آواز سنی پاس جا کر اس کی ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے' تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو پھر بچے کو روتے پایا۔ ماں کو ڈانٹا کہ تو بڑی بے رحم ہے۔ اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہیں ہے، خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمر ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے' اس لیے میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں، اس پر وہ روتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر ﷺ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا! ہائے عمر (ﷺ) نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا اور فوراً منادی کرادی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہو اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے' دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں پاس جا کر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتوں سے بچے فاقے سے ہیں ان کو بہلانے کے لیے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ یہ سن کر آپ اسی وقت مدینہ واپس آئے اور بیت المال سے آٹا' گھی' گوشت اور کھجوریں لیں اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لا دو۔ اسلم نے عرض کیا میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے' غرض کل سامان خود اٹھا کر عورت کے پاس لے گئے اور جب تک عورت نے پکا کر بچوں کو کھلا نہ لیا خود بیٹھے رہے' عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر (ﷺ)

سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے۔ شام کے سفر میں ایک ضلع میں قیام کر کے لوگوں کی شکائتیں سنیں اور دادرسی کی۔ اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا۔ قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر (ﷺ) کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے' مجھ کو اس کے یہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا آپ نے فرمایا اتنی دور کا حال عمر (

ؓ) کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے‘ بڑھیا نے جواب دیا اگر حال نہیں معلوم تو خلافت کیوں کرتا ہے‘ یہ سن کر آپ رو پڑے۔ رعایا کی تکلیف پر خواب و خور حرام ہو جاتا تھا۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا‘ تو آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ گوشت‘ مچھلی تمام لذائذ ترک کر دیئے۔ نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ الٰہی! میری شامت اعمال کے بدلہ میں امت محمدی کو تباہ نہ کر‘ آپ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی‘ اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں ہلاک ہو جائیں گے۔ (یہ تمام واقعات کنز العمال ج۔۲‘ ص۔۳۲۶ و مابعد حالات عمر میں ہیں)

قحط کے اثرات کو روکنے کے لیے بیت المال کا کل نقد و جنس صرف کر دیا اور تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے چنانچہ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمرو بن العاص ؓ نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا۔ ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اروب غلہ تھا اس کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ جار پر تشریف لے گئے اور زید بن ثابت کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے بقید یا با قاعدہ نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کیے۔ ہر شخص کو حضرت عمر ؓ کی دستخط شدہ ایک چٹ دی جس کے مطابق غلہ ملتا تھا۔ (یعقوبی جلد۔۲‘ ص۔۱۷۷) اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے۔ (کنز العمال جلد۔۶ ص۔۳۴۳) یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا عام حالات میں بھی حضرت عمر ؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے‘ چنانچہ ملک میں جس قدر معذور و مجبور اور از کار رفتہ آدمی تھے۔ بلا قید ملت مذہب بیت المال سے سب کے روزینے مقرر تھے‘ غیر مسلم معذوروں کے وظائف اور خبر گیری کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ لقطہ یعنی لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا جن کی مائیں انہیں راستوں پر پھینک جاتی تھیں۔ ایسے بچوں کے لیے ابتداء میں دو سو درہم سالانہ

مقرر ہوتے تھے پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ (یعقوبی جلد۔۲‘ ص۔۱۷۱) جو یتیم صاحب مال جائیداد ہوتے تھے۔ ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا‘ غرض عہد فاروقی میں کوئی لاوارث محتاج‘ معذور اور ازکار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا‘ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں مل سکتی۔

مساوات: اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام بے جا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کر دیا تھا اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی۔ امیر المومنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور رعایا کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کریں‘ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا لحاظ رکھتے عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا‘ آپ کو اطلاع ہوئی تو لکھ بھیجا کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر۔ (کنز العمال جلد۔۲ حالات عمرؓ)۔

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ سے ملنے گئے جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت عمرؓ ادھر آ نکلے۔ یہ امتیازی شان دیکھ کر ابیؓ کو کوڑا لگایا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔ (مسند دارمی ص۔۷۱‘ ابن سعد تذکرہ عمرؓ)

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ ابن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا۔ طواف میں اس کی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا‘ جبلہ نے اسے تھپڑ مارا۔ اس شخص نے برابر کا جواب دیا جبلہ نے آ کر حضرت عمرؓ سے شکایت کی‘ آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا جبلہ نے پندار امارت میں کہا ہم وہ ہیں اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں

جاہلیت میں ایسا ہی تھا' لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے عار ہے۔ غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے۔ ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی۔ (طبری ص ۔۲۷۷۵) غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کیے' اس قبیل کے دو چار نہیں سینکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اس مساوات نے مسلمانوں میں حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ حضرت عمرؓ کو برسر عام ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

بیت المال کی حفاظت: مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا انتظام تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے بیت المال کا ایک ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے۔ اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے درج رجسٹر کراتے تھے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیسؓ آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو' ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا' امیر المومنین آپ کیوں تکلیف

اٹھاتے ہیں' کسی غلام کو حکم دے دیجیے وہ ڈھونڈ لائے گا فرمایا ''ای عبد اعبد منی ''یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔ (کنز العمال ج ۲' ص ۳۵۴)

بیت المال میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آ رہے تھے' لیکن اس میں آپ کا حصہ صرف بقدر کفایت روزینہ تھا اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لیے حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا بہت معمولی سی چیز تھی لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لیے ہوئے اسے لینا طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ مسجد نبوی میں جا کر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔ (طبقات ابن سعد ج ۲' ق ۱' ص ۱۹۸)

ایک دفعہ مال غنیمت آیا آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آ کر عرض کیا امیر المومنین میرا حق مجھ کو دیجیے میں ذوی القربیٰ میں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا جان پدر تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے' یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں۔ (کنز العمال ج ۲' ص ۲۵۰) آپ کو اپنے مرحوم بھائی زیدؓ کی بچی سے والہانہ محبت تھی' ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی۔ آپ اسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے' اس لیے پیار کر کے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔ (کنز العمال ج ۲' ص ۳۴۸)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی کو بلا کر فرمایا' گو عطر تمہارا تھا' لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے' یہ

کہہ کر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دیئے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا۔ (کنز العمال ج ۔۲' ص ۔ ۳۵۶)

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک دینار نکلا انہوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچہ کو دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا' تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔ (کنز العمال جلد ۔۶' ص ۔ ۵۷)

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے ہوئے دیکھا' دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اب فربہ ہو گیا ہے اس لیے بیچتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم اتنے ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ (کنز العمال جلد ۔۶' ص ۔ ۵۷)

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے قرض مانگا۔ انہوں نے کہا آپ امیر المومنین ہیں' بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں' آپ نے فرمایا میں بیت المال سے نہیں لوں گا' کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر جائے گا اس لیے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔ (ابن سعد جلد ۔۳' ق ۔۱' ص ۔ ۱۹۹) اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں۔

فضل و کمال: ذاتی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت ذہین طباع' بالغ نظر'

ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ آنحضرت ﷺ کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا۔ یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ (مسند دارمی ص ۔۶۲)

ذہانت طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا۔ متعدد امور میں وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی چنانچہ اسیران بدر کے ساتھ طرز عمل، ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے پردہ، شراب کی حرمت اور مقام ابراہیم علیہ السلام کو مصلیٰ بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ (یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں) ذہانت طباعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا۔ آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی جن پر عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی۔ علم اسرار دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی۔

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ آپ ﷺ نے تنگ آ کر فرمایا کہ اس بارہ میں سورہ نساء کی آخری آیت کافی ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۔۶، ص ۔۲۵) اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباط احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے بعض اوپر گزر چکی ہیں۔ اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایۃ صحابہ میں نہیں ہے آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل سترہ ہے۔ لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ قلت روایت کا سبب آپ کی شدت احتیاط تھی۔ کلام رسول کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لیے آپ کے شدت اہتمام کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں ورنہ نفس

علم حدیث میں وہ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے۔ اپنے زمانہ میں انہوں نے جتنے احکام صادر فرمائے وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے۔ البتہ احتیاط کی بناء پر ان کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب نہیں کیا۔ احادیث نبوی ﷺ کی جو خدمت انہوں نے کی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جو اساطین فقہ میں ہیں آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے، آپ نے انہیں اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں۔ (اعلام الموقعین جلد اول ص۔۱۳) اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہیں کی بلکہ تفریع و استنباط مسائل کے اصول و ضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لیے اجتہاد و فکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے، غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا آپ کے علمی کمالات کی فہرست بہت طویل ہے لیکن مقصود اختصار ہے اس لیے تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

سیرۃ الفاروق : عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے۔

خشیت الٰہی : تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ اللہ کا خوف آپ کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا۔ اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہو گا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۴۵)

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۴۵)

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا' کیوں ابوموسیٰ اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر پر چھوٹ جائیں نہ عذاب ملے نہ ثواب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر رضی اللہ عنہ کی جان ہے میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔ (بخاری باب ایام الجاہلیتہ)

آیات قرآنی سے تاثر: نماز میں عموماً ایسی صورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا انہیں پڑھ کر زار و قطار روتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ابواب الصلوٰۃ کے تحت میں اس کے بہت سے واقعات ہیں۔

حُبِّ رسول ﷺ: ذات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی۔ جان' مال' اولاد ہر محبوب چیز آنحضرت ﷺ پر فدا تھی۔ جب آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوی ﷺ پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا اللہ کی قسم میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) ام المومنین (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کا سر قلم کردوں۔ (فتح الباری ج۔ ۹' ص۔ ۲۵۱) آنحضرت ﷺ کی وفات پر غلبہ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہوگئی تھی اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آجاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے۔ شام کے سفر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی یاد تازہ ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ (فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس) وصال نبوی ﷺ کے بعد گو عرب کی سرزمین میں سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی

تھی، لیکن حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی پرعسرت زندگی کی یاد میں اچھا کھانا نہ کھاتے تھے۔

متعلقین رسالت ﷺ کا لحاظ: جناب رسالت مآب ﷺ کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے، جب صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین کے آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ تعلق کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم، پھر ان میں بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا اس کے بعد بنی امیہ بن عبد شمس بنی نوفل بن عبدالعزیٰ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہؓ کی تھیں اگرچہ حضرت حسنینؓ ان میں سے نہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے۔ آنحضرت ﷺ کے غلام زیدؓ کے صاحبزادے اسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو بدری صحابی تھے، زیادہ مقرر کی، عبداللہؓ نے عذر کیا تو فرمایا رسول اللہ ﷺ اسامہ (ؓ) کو تجھ سے اور اسامہ (ؓ) کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ (کتاب الخراج ص ۲۴، ۲۵) آنحضرت ﷺ کی ذات سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنت نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے، عبادات و معاملات کا ذکر نہیں، روزانہ کی زندگی میں اتباع سنت کا پورا اہتمام تھا۔ عمال کو پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے ایک دفعہ یزید بن ابی سفیانؓ کے ساتھ کھانا کھایا معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے لائے گئے تو ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر (ؓ) کی جان ہے اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو

اللہ تم کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دے گا۔ (کنز العمال ج ۔۶، ص ۔۳۵۴) وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جان پدر! تم رسول اللہ ﷺ کی عسرت کی زندگی بھول گئیں، اللہ کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ (بخاری باب الزہد)

زہد و قناعت: آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد و قناعت اور سادگی و تواضع ہے آپ کا زہد اکابر صحابہ میں مسلم تھا۔ حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد و قناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے باز پرس ہو رہی ہے۔ فاتح ایران و مصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتا ہے، سر پر پھٹا ہوا عمامہ پاؤں میں بوسیدہ چپل، اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک ہے یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرش خاک پر نیند آ گئی ہے۔ (دیکھو ابن سعد ج ۔۳ حالات عمر و کنز العمال ج ۔۶، ص ۔۳۴۵ و ما بعد) ابن سعد اور کنز العمال میں آپ کے زہد کے بہت سے واقعات ہیں۔

سادگی: سفر میں بھی خیمہ و خرگاہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ جہاں منزل ہوتی درخت کے سایہ میں پڑے رہتے۔ (ابن سعد ج ۔۳، ق ۔۱، ص ۔۲۸) آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈتی تھیں۔ آپ کو

پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔ شام کے سفر میں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔

احتساب نفس : جب کبھی دل میں عجب وغرور کا شائبہ پیدا ہوتا تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے۔ ایک دن خطبہ دیا اور صرف یہ فرمایا' صاحبو! میں ایک زمانہ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کے لیے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلے میں چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر میں زندگی بسر کرتا تھا' یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے' لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی آپ نے خود ہی جواب دیا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا' یہ اس کی دوا تھی۔ (ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۔۲۰)

مزاج : مزاج فطرۃً تیز و تند واقع ہوا تھا۔ اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے۔ اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی۔ بات بات پر تلوار بے نیام ہو جاتی تھی لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا۔ درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی تند مزاجی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حمایت حق کے ہیں ورنہ اپنی ذات کے لیے وہ نہایت متحمل اور بردبار تھے۔ معاملات ملکی میں لوگ اختلاف کرتے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر ٹوکتے تھے لیکن آپ کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کے بارہ میں نرم ہو جاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

ذریعہ معاش : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا' خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قطعہ اراضی ثمغ نامی مرحمت فرمایا تھا اسی نام کی ایک اور زمین ایک

یہودی سے لی تھی لیکن یہ دونوں زمینیں انہوں نے کار خیر کے لیے وقف کر دی تھیں۔ خلافت کے بعد بقدر کفایت وظیفہ مقرر رہا۔ پھر کبار صحابہ کے وظائف کے ساتھ ان کا بھی پانچ ہزار مقرر رہا۔

غذا اور لباس : لیکن زندگی کے کسی دور میں آپ کی سادگی میں فرق نہ آیا آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے گزارہ کے لیے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہو جائے گی تو نہ لیں گے فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے۔ (ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۔۱۹۸) آپ کے لباس میں صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے ان میں بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے۔ (ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۔۲۳۷) ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بارہ میں گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔

ان ہی کپڑوں میں بر سر عام نکلتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے' میں نے شمار کیا تو ان کے تہ بند میں بارہ پیوند تھے۔ کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ (کنز العمال ج۔۶' ص۔۳۴۷) ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے کہا' امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو فارغ البال کیا ہے۔ آپ کے پاس بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے ہیں' اس لیے آپ کو اپنی زندگی میں تغیر کرنا چاہیے' فرمایا افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا کی ترغیب دیتی ہو۔ عائشہ! (رضی اللہ عنہا) تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئیں جب کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسے آپ دن میں بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے' حفصہ تم کو یاد نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے فرش کو دہرا بچھا دیا تھا۔ اس کی نرمی کے سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے اور جب بلال رضی اللہ عنہ نے اذان

دی اس وقت آنکھ کھلی اور آپ نے فرمایا حفصہ تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دوہرا کر دیا کہ میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی راحت سے کیا علاقہ، تم نے فرش کی نرمی کی وجہ سے مجھے غافل کر دیا۔ (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۵۰) غذا میں عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے، کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے۔ ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ عتبہ نے عرض کیا، امیر المومنین اگر آپ اپنے کھانے، پینے، پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش وعشرت کی ترغیب دیتے ہو۔ (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۴۸)

اولیات: حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جونئی باتیں ایجاد کیں۔ مورخین انہیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی فہرست یہ ہے۔ (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔ (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔ (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔ (۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۷) دفتر مال قائم کیا۔ (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا۔ (۹) مردم شماری کرائی۔ (۱۰) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی۔ (۱۱) نہریں کھدوائیں۔ (۱۲) شہر آباد کرائے۔ (۱۳) ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا۔ (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔ (۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔ (۱۷) درہ کا استعمال کیا۔ (۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا۔ (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور

مجلس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی۔ (۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔ (۲۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں۔ (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔ (۲۵) قائدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے۔ (۲۶) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔ (۲۷) مکاتب قائم کیے۔ (۲۸) معلموں اور مدرسوں کے مشاعرے مقرر کیے۔ (۲۹) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی۔ (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا۔ (۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔ (۳۲) فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔ (۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔ (۳۴) تین طلاقوں کو اگر ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا۔ (۳۵) شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی۔ (۳۶) تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی۔ (۳۷) بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کی بجائے زکوۃ مقرر کی۔ (۳۸) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔ (۳۹) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا۔ (۴۰) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔ (۴۱) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۴۲) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا۔ (۴۳) ہجو کہنے والے کے لیے تعزیر کی سزا مقرر کی۔ (۴۴) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ (یہ اولیات طبری، تاریخ الخلفاء اور سیرۃ عمر ابن جوزی میں مذکور ہیں)

مارا۔ تمام اعزہ نے منہ موڑ لیا۔ کچھ دن تک حضرت عثمان ؓ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہ ؓ کو لے کر حبشہ چلے گئے اور ہجرت اولیٰ میں اولیت کا شرف حاصل کیا۔ چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر مکہ واپس آئے ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے مگر یہ مکہ میں مقیم ہو گئے پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ (ابن سعد جلد۔۳' ق۔اول' ص۔۳۸)

بیر رومہ کی خریداری: حضرت عثمان ؓ نہایت دولت مند تھے' ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملک میں تھا اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے اس کو آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ (استیعاب ج۔۲' ص۔۴۸۸)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمان ؓ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ بدر میں حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت میں دونوں کا حصہ ملے گا۔ (بخاری مناقب عثمان ؓ) احد میں بھی شریک تھے' رسول اللہ ﷺ کی خبر شہادت نے بہت سے صحابہ ؓ کو ایسا ازخود رفتہ کر دیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور حضرت عثمان ؓ بھی انہی میں تھے ان کو اس کا سخت قلق تھا۔ جب وحی الٰہی نے ان صحابہ ؓ کو بری قرار دیا اس وقت آپ کو اطمینان ہوا۔ غزوہ ذات الرقاع میں مدینہ پر آنحضرت ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ (ابن سعد جلد۔ا' ق۔۳' ص۔۳۹) غزوہ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے' چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد تھی۔ جس کے حالات عہد رسالت ﷺ میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں سخت قحط سالی تھی' عین ان حالات میں غزوہ تبوک پیش آیا' تمام

صاحب مقدرت صحابہ ﷺ نے جنگی اخراجات کے لیے روپیہ دیا۔ حضرت عثمان ﷺ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامان رسد کے پیش کیے۔ حضرت عثمان ﷺ کی اس خدمت کا آنحضرت ﷺ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳، ص ۱۰۲ و ترمذی مناقب عثمان ﷺ) غرض عثمان غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لیے وقف تھی۔

خلافت اور فتوحات

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ ان کے خدمات اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بناء پر حضرت عمر ﷺ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنہیں آپ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا ایک نام آپ کا بھی تھا۔ حضرت عمر ﷺ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقداد ﷺ نے چھوؤں آدمیوں کو مصور بن مخرمہ کے گھر میں یکجا کیا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے۔ اس تجویز پر حضرت سعد ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن کا ﷺ نام پیش کیا، لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا اور حضرت طلحہ ﷺ نے حضرت عثمان ﷺ کا اور حضرت زبیر نے حضرت علی ﷺ کا نام پیش کیا۔ اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰن ﷺ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اور حضرت عثمان ﷺ اور حضرت علی ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے

اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ دونوں راضی ہو گئے۔ ان سے اجازت لینے کے بعد انہوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمان ﷛ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت کے بعد حضرت علی ﷛ نے ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے بیعت کرتے ہی خلقت ٹوٹ پڑی۔ بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمانؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ (ابن سعد جلد۔ ۳' ق۔ اول' ص ۔ ۴۳' ۴۲ یہ واقعات طبقات اور تاریخ کی تمام کتابوں میں ہیں) ابتداء میں کچھ دن تک حضرت عثمان ﷛ نے فاروقی نظام میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ صرف مغیرہ بن شعبہ ﷛ کو حضرت عمر ﷛ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص ﷛ کو مقرر کیا اور تمام عہدیداران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کیے جن میں عمال کو رعایا پروری کی ہدایت جلب زر کی ممانعت مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت افسران فوج کو فوجی نظام کی پابندی تحصیلداروں کو واجبی محاصل سے زیادہ وصول کی ممانعت امانتداری یتیموں اور ذمیوں کے مال میں انصاف و دیانت کی تاکید تھی۔ ان ہدایتوں کے علاوہ عوام کے لیے بھی اس فرمان میں مفید ہدایات تھیں۔ (ابن سعد میں یہ پورا فرمان منقول ہے)

پہلا مقدمہ: حضرت عثمان ﷛ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمر ﷛ کے صاحبزادے عبیداللہ ﷛ کے قصاص کا پیش ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر ﷛ کے قاتل ابولولو نے آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خودکشی کر لی تھی لیکن بعض واقعات کی بنا پر عبیداللہ بن عمر ﷛ کو شک تھا کہ ابولولو کے ساتھ دو آدمی اور جفینہ اور ہرمزان قتل کی سازش میں شریک تھے۔ انہوں نے جوش غضب میں ان کو قتل کر دیا۔ بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان ﷛ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہ ﷛ نے مشورہ کیا۔ حضرت علی ﷛ نے رائے دی کہ قصاص میں قتل کرنا چاہیے' لیکن دوسرے صحابہ ﷛ نے

مخالفت کی کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کل عمر ؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے' اس اختلاف رائے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۳۹)

اسکندریہ کی بغاوت: مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ تھا اس لیے قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اسکندریہ میں رومیوں کی بڑی تعداد آباد تھی۔ حضرت عمر ؓ کے انتقال کے بعد ۲۵ھ میں قیصر نے انہیں خفیہ بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑا مدد کے لیے بھیجا لیکن عمرو بن العاص ؓ نے فوراً پہنچ کر رومیوں کو نہایت فاش شکست دی۔ قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے۔ انہوں نے اس بغاوت میں حصہ نہ لیا تھا' اس لیے رومیوں نے بھاگتے ہوئے انہیں خوب لوٹا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاص ؓ کے پاس فریاد لے کر گئے جہاں تک مل سکا عمرو بن العاص ؓ نے ان کا مال واپس کر دیا۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۳۱) اس کے بعد آئندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لیے شہر پناہ مسمار کرا دی۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات: اسی سنہ میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے۔ حضرت عثمان ؓ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا انہوں نے فوج کشی کر کے آذربائیجان کو مطیع بنایا اور مسلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا ابھی یہ برسر پیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے۔ یہ اطلاع پا کر یہ ادھر بڑھے اور راستے میں کئی قلعے فتح کیے۔ دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ کچھ تو جزیہ دے کر یہیں رہ گئے اور کچھ جلاوطن ہو گئے۔ اسی دوران میں ایشیائے کوچک کے بطریق

اعظم نے اسی ہزار فوجیں حبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجیں۔ حبیب نے انہیں شکست دے کر ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور بہت سے علاقوں کو مطیع اور اران اور گرجستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔ اسی سنہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر فوج کشی کی اور بروسہ تک بڑھتے چلے گئے۔ اور انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے سب میں اسلامی نو آبادیاں قائم کر دیں۔ (ابن اثیر ص۔۳۲'۳۳ و فتوح البلدان بلاذری ص۔۲۰۵'۲۰۶) اسی سال میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقہ پر حملہ کے انتظامات کیے۔

عمرو بن العاص ؓ کی معزولی: عمرو بن العاص ؓ حضرت عمر ؓ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے اس کا ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے' عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا' شعبہ خراج میں بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے۔ اس دوعملی کی وجہ سے دونوں میں بنتی نہ تھی اور حضرت عثمان ؓ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے۔ ابن ابی سرح ؓ کو شکایت تھی کہ عمرو بن العاص ؓ نے خراج کی رقم گھٹا دی اور عمرو بن العاص ؓ کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کر دی۔ مصر کے خراج کی کمی کی شکایت کی جو حضرت عمر ؓ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی' حضرت عثمان ؓ نے عمرو بن العاص ؓ سے اس میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اس لیے حضرت عثمان ؓ نے ان کو معزول کر کے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنا دیا۔ انہوں نے خراج کی آمدنی میں کافی اضافہ کیا۔ حضرت عثمان ؓ نے عمرو بن العاص ؓ سے کہا دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا' عمرو بن العاص ؓ نے جواب دیا ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

طرابلس کی فتح: عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا' شمالی افریقہ کے خوش سواد علاقے طرابلس الغرب' تونس' مراکش اور الجزائر مصر کے ہم

سرحد اور بالکل سامنے تھے اور ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہیں پڑ رہی تھیں اور وہ اسی زمانہ میں اس کا جائزہ لینے کے لیے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا۔ ۲۷ھ میں اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوج کشی کی، اس کے طرابلس الغرب کے حدود میں داخل ہونے کے بعد یہاں کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا۔ دونوں میں عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب زیادہ عرصہ لگ گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کے لیے بھیجا۔ ان کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسی دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا اور ایک حصہ لے کر مقابلہ میں آئے اور دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر میں جب دونوں تھک کر الگ ہو گئے اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی دفعتہً پہنچ کر حملہ آور ہو گئی، طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے، اس لیے مزید مقابلہ نہ کر سکے اور جرجیر نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۲۳۵) طرابلس کی فتح کے بعد تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیر نگیں ہو گئے۔

اسپین پر حملہ: شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا، لیکن اس وقت مستقل فوج کشی کا خیال نہ تھا اس لیے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آئے۔

قبرص کی فتح: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی سے صوبہ دمشق کے والی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے شام کا والی بنا دیا تھا۔ انہوں نے طرابلس، الشام، عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کیے۔ قبرص پر جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے۔ فاروقی عہد سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر تھی۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی مانگی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف تھے۔ اس لیے اجازت نہ دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی شروع میں احتیاط

برتی لیکن جب اس کا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اجازت دے دی مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے' کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہ ؓ نے قبرص پر حملہ کیا یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے' جنگ و جدال سے گھبراتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ اس صلح میں یہ شرط تھی کہ مسلمان ان کی پوری حفاظت کریں گے اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے اہل قبرص مسلمانوں کو اپنے جزیرہ سے گزرنے دیں گے اور رومیوں کے حالات کی مسلمانوں کو خبر کرتے رہا کریں گے۔ کئی سال تک یہ صلح قائم رہی لیکن ۳۲ھ میں اہل قبرص نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد دی اس لیے امیر معاویہ ؓ نے دوبارہ فوج کشی کر کے قبرص کو اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا اور مسلمانوں کی یہاں نو آبادی قائم کر دی (فتوح البلدان ص۔ ۱۵۹' ۶۰ اور ابن اثیر ج۔ ۳' ص۔ ۴' ۷' ۱۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کی معزولی: ۲۹ھ میں حضرت عثمان ؓ نے ابوموسیٰ اشعری ؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے خلاف چلی آ رہی تھی۔ لیکن صولت فاروقی کی وجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں اس جماعت نے قوت حاصل کر لی' سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں کردوں نے بغاوت کی۔ ابوموسیٰ ؓ نے جہاد پر وعظ کیا اور راہ اللہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے لیکن ابوموسیٰ ؓ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے دیکھیں ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے اگر اس کا قول و فعل مطابق ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیادہ چلیں گے۔ اتفاق سے حضرت ابوموسیٰ ؓ جس وقت روانہ ہوئے ان کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا۔ ایک شخص نے بڑھ کر

باگ روک لی اور کہا قول و فعل میں یہ اختلاف اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو۔ حضرت ابوموسیٰ ؓ نے ان کی یورش دیکھ کر کوڑا مارا' یہ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمان ؓ کے پاس پہنچے اور ان سے ابوموسیٰ ؓ کی معزولی کا مطالبہ کیا ان کے مطالبہ پر حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ ؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا۔ (ابن اثیر جلد۔۳'ص۔۳۷)

ایران کی بغاوت اور فارس پر مکمل قبضہ: عہد فاروقی کی فتوحات میں گزر چکا ہے کہ ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا۔ اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عمر ؓ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لے کر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

حضرت عثمان ؓ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور عبیداللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا۔ لیکن وہ ناکام ہو کر مارے گئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر ؓ والی بصرہ نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بصرہ سے فارس پہنچا' اہل فارس نے پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن ابن عامر نے انہیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

ولید بن عقبہؓ کی معزولی: ۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آئندہ کسی موقع پر آئے گی' ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ سعید بن العاص کا تقرر ہوا۔

طبرستان کی فتح: اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کر لی تھی۔ عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انہوں نے بھی صلح توڑ دی تھی۔ اس لیے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کی۔ حضرت حسن' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر وغیرہ متعدد صحابہ ؓ اس مہم میں شریک ہوئے تھے۔ سعید بن عامر سیدھے جرجان

پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کرلیا۔

خراسان: سعید کے ساتھ ہی عبداللہ بن عامر خراسان روانہ ہوئے تھے۔ راستے سے انہوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا اور خود خراسان پہنچے اور اس کے پورے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ انہوں نے باخرز' جوین' بیہق وغیرہ فتح کیے اور ابن عامر نے خواف' اسفرائن اور ارغیان پر قبضہ کرکے نیشاپور کا محاصرہ کرلیا۔ ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کرلی۔ نیشاپور پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات نساء سرخس اور ابیورو وغیرہ آسانی کے ساتھ قبضہ میں آگئے۔ یزدگرد اس زمانہ میں یہیں تھا' بغاوت فرو ہونے کے بعد مایوس ہوکر بھاگا' مسلمان عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے۔ مہینوں وہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر میں ایک دہقانی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ اس کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہوگیا۔

طخارستان کی فتح: خراسان پر تسلط قائم ہوجانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان بھیجا۔ انہیں دیکھ کر طالقان' جوزجان اور فاریاب وغیرہ قرب و جوار کے سارے علاقوں کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے' لیکن احنف نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ان سب کو شکست دی۔ کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوزجان میں اجتماع کیا۔ اس لیے' احنف خود طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کرکے بلخ کی طرف بڑھے اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوزجان بھیجا۔ انہوں نے جوزجان پہنچ کر انہیں شکست دے کر جوزجان پر قبضہ کرلیا اسی دوران میں احنف طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کرکے بلخ کی طرف بڑھے لیکن جیحون پار نہ کرسکے۔ ماوراء النہر کے بعض امراء نے ان کے پاس آکر اظہار

اطاعت کیا اور قیمتی ہدایا پیش کیے۔

کرمان اور سجستان پر قبضہ: اوپر گزر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہمیں علی الترتیب مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے متعلق تھیں، چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ میں کرمان کے شہر سیرجان پر قبضہ کرکے یہاں کی شورش پسند آبادی کو نکال دیا یہاں سے نکل کر یہ لوگ قفص میں جمع ہوئے مجاشع نے قفص جاکر بھی انہیں شکست دی اور کرمان کے علاقہ پر قبضہ ہو گیا۔ دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ ربیع نے محاصرہ کر لیا۔ آخر میں یہاں کے مرزجان نے محاصرہ سے گھبرا کر صلح کر لی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہاں مقیم رہے پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے۔ ان کو واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہو گئے۔ اس مرتبہ ابن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھیجا انہوں نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کر لیا مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کر لی۔

کش اور دوار کی فتوحات: عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بڑے حوصلہ مند تھے سجستان کو قابو میں لانے کے بعد کابل کی سمت فوجیں بڑھا دیں اور رخج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کر لیا۔ دوار کے باشندے کوہ روز میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں گھیر لیا، ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے صلح کر لی۔ اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمٰن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

غزنہ کی فتح: اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا۔ کوہ روز کے بعد

عبدالرحمٰن نے ادھر کا رخ کیا اور غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔ ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ میں حج کو روانہ ہو گئے (تمام حالات طبری اور ابن اثیر اور فتوح البلدان بلاذری سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

سواحل شام پر رومیوں کا حملہ: اگرچہ مسلمانوں نے رومیوں کو پیہم شکستیں دے کر ان کی قوت بہت کمزور کر دی تھی، لیکن ہاتھوں سے نکلے ہوئے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا چنانچہ آخری آزمائش کے لیے ۳۱ھ میں قیصر روم نے پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیوں کو نہایت فاش شکست دی اور وہ باحال تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے۔

متفرق فتوحات: ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ عہد عثمانی میں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور فتحیں بھی حاصل ہوئیں۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور ۳۳ھ میں اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کر لیا۔ ۳۴ھ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن عبداللہ نے پوری مستعدی سے فرو کر دی۔ غرض دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازہ تک وسیع ہو گئے۔

انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

دور عثمانی کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن وسکون سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت مال غنیمت کی فراوانی، محاصل وخراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت اور زراعت وتجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش وتنعم کے سامانوں سے معمور کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم ونتائج بغض وحسد اور شک وروابط کا قدم بھی آیا اور ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

خلاف ایسا انقلاب بپا کیا جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ اس انقلاب کے خارجی اسباب حسب ذیل تھے۔

۱۔ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم جو اسلام کے سچے خدمت گار اور شیدائی تھے' اٹھتے جاتے تھے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی۔ بہت سے بزرگ ضعف پیری کی وجہ سے عملی کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے۔ ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی۔ جن میں ان کے اسلاف کے جیسا خلوص و ولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان میں رشک وحسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے عاقبت اندیش تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں اکابر قریش کو جن کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ مدینہ سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ قید اٹھا دی' یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندان رسالت کے تعلق سے لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بھی اپنی جلالت شان کا احساس پیدا ہو گیا اور مفتوحہ اقوام نے ان میں خلافت کے جذبات پیدا کر دیئے۔

۳۔ اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا۔ ان میں مخفی مگر نہایت سخت منتقمانہ جذبات موجود تھے۔ انہوں نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے سازش کا نہایت وسیع جال بچھا دیا۔

۴۔ قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے آپ کو عام عربوں سے بلند سمجھتے تھے انہیں بڑی بڑی جاگیریں ملی تھیں ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومیں جن کی تلواریں ملکوں کے فتح کرنے میں برابر کی شریک تھیں ناپسند کرتی تھیں۔

۵۔ بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے ان میں اور بنی امیہ میں قدیم چشمک تھی جو عہد نبوی میں دب گئی تھی اس کے بعد پھر ابھر آئی۔

۶۔ حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے۔ اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا' حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا ان کی بے عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینی کا موقعہ مل گیا۔

۷۔ اپنی فطری نرمی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے۔ اس لیے ناتجربہ کار اموی عمال کی بے عنوانیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا اور قریش کے ان نوجوانوں نے جنہیں آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا برملا نکتہ چینی شروع کر دی اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا۔

ان حالات کی وجہ سے یہودیوں اور مجوسیوں کو جن کی حکومت اور جن کے مذہبی وقار کو اسلام نے مٹایا تھا' بدلہ لینے کا موقع مل گیا' چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونوں قومیں تھیں۔

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی: ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمن اسلام ایک بظاہر نومسلم لیکن منافق یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اور عہد نبوی ہی سے اس کی بیخ کنی کے درپے تھے۔ لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب نظام خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہی اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیاں اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی۔ اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا۔ یہ بڑا ذہین' طباع اور سازشی دماغ

رکھتا تھا، چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے اس نے اسلام کا لباس پہن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی۔ گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا، لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی۔ ابن سباء نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محبِ اہل بیت کے لباس میں ان کی حمایت کے ساتھ ساتھ خلفائے ثلاثہ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے ان کے اوصاف و سادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیرہ ذالک من الخرافات. تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے۔

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پرفریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔

(۲) عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنبہ پروری کی داستان مشہور کرنا۔

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ دعاۃ اور خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈا کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہو گئی۔ (طبری ص ۲۹۴۲)

ابن سبا کی کامیابی کے اسباب: جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے

موجود تھی۔ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نشانہ ملامت بنانے کے لیے ایک بہانہ ملنا چاہیے تھا' اس لیے اس جماعت میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی۔ یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے۔ جن کی حکومت انہوں نے مٹائی تھی۔ ان کی فطرت میں شاہ پرستی تھی۔ ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا۔ اس لیے سرزمین عجم میں اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا۔ گو عجمیوں کا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا۔ ابن سبا کا مقصد مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب میں ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہل بیت کے صلہ میں ان کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں اس لیے عراق وغیرہ میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی۔

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں اس طرح آ گئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال میں جو عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جیسا اخلاص و تدین نہ تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں فاروقی صولت نہ تھی' جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے۔ بلکہ آپ فطرتاً نہایت نرم خو' حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے۔ آپ میں عفو و درگزر کا مادہ زیادہ تھا۔ اس لئے آپ کے عمال سے جو بے عنوانیاں سرزد ہوتی تھیں' گو علم کے بعد آپ ان کا پورا تدارک کرتے تھے' لیکن کبھی کبھی چشم پوشی بھی کر جاتے تھے۔ دونوں صورتوں میں مخالفین کو بدنام کرنے کا بہرحال موقع مل جاتا تھا۔ اس لیے بعض مخلص اور خیر خواہ خلافت مگر سادہ مزاج بزرگوں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے۔

ابن سبا نے دعاۃ کے ذریعہ اور تحریری پروپیگنڈا کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ میں جا کر خفیہ جماعتیں قائم کیں۔ سب سے اول ۳۳ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا۔ انہوں نے اس کو اپنے یہاں سے نکالا۔ یہاں سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا' کوفہ سے بھی نکالا تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا۔ غرض مذکورہ

اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈا کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا۔ خصوصاً عراق، جس میں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شروفساد کی فطری صلاحیت تھی۔ اس فتنہ کا مرکز بن گیا، چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف پیدا ہوگئے۔

کوفہ میں مخالفت: کوفہ میں انقلاب پسندوں کے سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحنکہ، صعصعہ، ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن صابی تھے۔ ان کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا تھا۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے۔ ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے۔ آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں۔ ان کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو۔ (ابن اثیر ج۔۳، ص۔۵۴)

حضرت عثمان ؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہوگئی تھی۔ لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ میں کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرات کی اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ چلا لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا۔ گرفتار ہونے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کا تبادلہ چاہتا ہوں، اس لیے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا۔ اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہوگئی۔ اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں

نے خود جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان امن و امان کے خواہاں تھے۔ اس لیے سعید کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کر کے جس کو تم چاہتے ہو اس کو مقرر کر دیا۔ اللہ کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا۔ تمہارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۵۷)

عمال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ: لیکن مفسدین کی اصل غرض انقلاب برپا کرنا تھا اور کوفہ بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا۔ اس لیے کوئی اصلاح کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ جب ہر طرف سے اس قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ، عبداللہ ابن اسعد، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں کو جہاد میں لگا دیجیے۔ اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف ہٹ جائے گی۔ سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے اگر ان کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن و امان کا ذمہ دار قرار دیا جائے، شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندہ زر ہیں۔ روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجیے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشاء کے خلاف کام کرتے ہیں، عدل و انصاف سے کام لیجئے، یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے کیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے، عمرو خاموش رہے جب لوگ چلے گئے تو کہا، امیر المومنین میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ دراصل میرا خیال نہیں ہے کہ آپ کی ذات

اس سے بلند ہے۔ یہ میں نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں تھے' اس لیے میں نے یہ باتیں کیں تا کہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر رازدار بنائیں اور مجھے' آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے (طبری اور ابن اثیر میں اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے طبری ص۔۲۹۳۷ و ۲۹۴۰)

حضرت علیؓ کا مشورہ: جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہ ؓ کو بھی ان سے شکایات تھیں لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا' چنانچہ جب حضرت عثمان ؓ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی تو صحابہ کرام ؓ نے اصلاح کے لیے قدم اٹھایا اور حضرت زید بن ثابت انصاری' ابو اسید ساعدی' کعب بن مالک اور حسان بن ثابت ؓ نے حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان ؓ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں' آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں' جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے' آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے' آپ ﷺ کی باتیں سنیں ہیں' رسول اللہ ﷺ کے عزیز قریب ہیں' ان ﷺ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کو بھی حاصل نہیں تھا' کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے اس لیے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں۔ اس خوش آئندہ طریقہ سے حضرت علی ؓ نے اپنے خیالات پیش کیے' اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے۔ حضرت عثمان ؓ نے ان کا مناسب جواب دیا۔ اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی (طبری اور ابن اثیر ص۔۲۹۴۳' ۲۹۴۴)

تحقیقاتی کمیشن: اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ میں اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمان ؓ نے اکابر صحابہ ؓ کا ایک کمیشن مقرر کیا۔ کہ وہ ملک کا دورہ اور

موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ علی الترتیب کوفہ‘ بصرہ‘ مصر اور شام کی تحقیقات محمد بن مسلمہ‘ اسامہ بن زید‘ عمار بن یاسر اور عبداللہ بن عمر ؓ کے متعلق ہوئی۔ ان بزرگوں نے یہاں کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسر ؓ کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم ”یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عام مسلمانوں نے تحقیقات کی۔ انہوں نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی“۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ سادہ دل بزرگ تھے وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے‘ استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبداللہ بن السوداء و خالد بن ملجم وغیرھم ”یعنی (سبائی) لوگوں نے مصر میں انہیں پھسلا لیا اور عبداللہ ابن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے“۔ (طبری اور ابن اثیر ص۔۲۹۴۴)

اعلان عام: حضرت عثمان ؓ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہیں کیا‘ بلکہ تمام ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ ”میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے۔ اس وقت سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہیں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے‘ جو اس کے مصارف سے بچ رہے‘ جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے اور حضرت عثمان ؓ کے حق میں دعا کی۔ (طبری اور ابن اثیر ص۔۲۹۴۴)

عمال کی طلبی: اس اعلان کے ساتھ ہی آپ نے تمام عمال کو حج کے موقع پر

طلب کیا۔ امیر معاویہ‘ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوئے۔آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آتی ہیں؟ اللہ کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو‘ ان بزرگوں نے جواب دیا کہ آپ خود ان افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں اور تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپ کے سامنے ہو چکا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی۔ یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے‘ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں‘ تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے رقبہ حکومت میں سب امن وامان ہے‘ وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں‘ لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں‘ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو اختیار کیجئے‘ سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے۔ یہ مشورہ سن کر پیکر حلم وعفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے‘ اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا‘ اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا۔ البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا۔ اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ جائے گی۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوتاہی نہیں کی۔ فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمان رضی اللہ عنہ اس حالت میں فوت ہو گئے کہ انہوں نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے بشارت ہے‘ تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو ان کے حقوق پورے کرو‘ اللہ کے

حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو۔ (طبری ص۔۲۹۴۵'۲۹۴۶)

غرض آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی' لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا۔ اس حادثہ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لی جائے' جن کی بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موردِ طعن بنایا جاتا ہے۔

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت: حامیانِ انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں۔

۱۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' مثلاً مغیرہ بن شعبہ' ابوموسیٰ اشعری' سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

۲۔ بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاری' عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

۳۔ بیت المال کا روپیہ بے جا طور سے صرف کیا گیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں' مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا' عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار دیئے۔

۴۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

۵۔ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

۶۔ حدود کے اجراء میں تغافل برتا۔

۷۔ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔

۸۔ بعض نئی بدعتیں جاری کیں۔ مثلاً سنت رسول ﷺ اور سنت شیخین رضی اللہ عنہم کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

۹۔ فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا' حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے۔

۱۰۔ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ مدینہ بلا لیا۔

۱۱۔ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض تو بالکل غلط ہیں' بعض میں واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں' ان کی اصل حقیقت یہ ہے:

۱۔ پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں' ایک یہ کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کیا دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں۔ اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے' خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ کو معزول کر دیا۔ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی۔ (طبری ص۔۲۸۰۳) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا (طبری ص۔۲۸۲۰) کہ بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ (طبری ص۔۲۸۳۰) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی' جس کو ادا نہ کر سکے' مہتمم بیت المال حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی۔ (طبری ص۔۲۸۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا' جس کی تصریح عزل کے وقت کر دی تھی۔ پھر ان کی جگہ ایک صحابی ہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا۔ (اسد الغابہ ج۔۲'ص۔۲۳۲) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب اوپر گزر چکا ہے' کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی' درآنحالیکہ اس کی گنجائش موجود تھی' چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے چند دنوں میں بڑھا کر دونا کر دیا۔ (یعقوبی ج۔۲'ص۔۱۸۹) دوسرا الزام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر یہ تھا کہ انہوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو آزاد کر کے پھر واپس کر دیا۔ (یعقوبی ج۔۲'ص۔۱۸۹)

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے اپنے نوجوانوں اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا محض ایک بے معنی مغالطہ ہے۔ عمال کے عزل و نصب کا اصل معیار حکومت و جہانبانی کی صلاحیت ہے اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ ان عہدوں کے لیے موزوں ترین تھے۔ ان کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین' چین اور ہندوستان سے ملا دیئے' جن کی تفصیلات اوپر فتوحات میں گزر چکی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے' لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطہ نظر سے بھی عمال کے لیے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے' جب کہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہ رہ گئے تھے۔ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے تمام تر نوجوانوں کو مقرر کیا۔ اس کے خلاف مثالیں بھی ہیں۔ مثلاً کوفہ سے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو

معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اس لیے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جگہ نوجوانوں کا تقرر کیا' کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہیں رہتا۔

۲۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدسلوکی کے سلسلہ میں شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادتی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر دیا۔

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلا وطن نہیں کیا تھا' بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے۔ اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا۔ اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے۔ آپ کی کفالت میں کروں گا۔ لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے۔ جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مدینہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔ (ابن سعد ج۔ ق۔ اول' ص ۔ ۱۶۷)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی' لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی فہمائش ضرور کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر عمال کو علانیہ سزا دی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ ضرور بند کیا' لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لیے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علیحدہ ایک مصحف تھا۔

خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں' زندگی ختم کے قریب ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں' اللہ کی قسم میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا ہے' کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے' جو آمدنی ہوئی وہ انہی لوگوں کی ضرورت و فلاح میں صرف ہوئی۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے اس میں سے بھی میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا' اسے مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں صرف کرتے ہیں اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا۔ اللہ کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا' حتیٰ کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں"۔ (طبری ص۔۲۹۵۲)

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں ہیں۔ اصل شکل میں وہ قابل اعتراض نہیں۔ مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا' بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔ (ابن خلدون ج۔۲'ص۔۱۲۹)

عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خمس کا پانچواں حصہ البتہ دیا تھا' لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا۔ اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے جب طرابلس پر فوج کشی کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے وعدہ فرمالیا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا' آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے' ورنہ واپس کر دیا جائے' لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبداللہ بن ابی سراح رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کا حکم لکھ دیا۔ (طبری ص۔۲۸۱۵)

عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا۔ (طبری ص۔۲۹۵۲)

۶۔ اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا۔ دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد میں تاخیر کی گئی۔

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اگر آپ عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ اللہ آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا۔ اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت کے بدلے دیتا ہوں اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی۔ (طبری ص۔ ۲۸۴۹)

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا' جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا...... ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی' اس تاخیر کا سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی' شہادت ملنے کے فوراً بعد حد جاری کی گئی۔ (مسند احمد بن حنبل ج۔ ا'ص۔ ۶۲)

۷۔ ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے۔ نہایت لغو اور مہمل ہے۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا' ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا۔

۸۔ بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کی جاتی ہے کہ منیٰ میں خلاف سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں۔ اس کی وجہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نے بیان فرما دی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی تھی۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے۔ (اصابہ تذکرہ حکم بن العاص)

۹۔ نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا۔ آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر شاذہ پر عمل نہیں کیا، ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو اور یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔

۱۰۔ حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کر دیا تھا لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی۔ جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا۔

۱۱۔ مصریوں کے ساتھ بدعہدی کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں لیکن وہ لائق اعتنا نہیں، ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد ناظرین کو انقلاب کے حالات کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور جوار رسول ﷺ کو چھوڑنے سے انکار: اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کر کے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی، پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا کر ان سے رائے لی۔ ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورے دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ساتھ آئے تھے۔ شام واپس جاتے وقت انہوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ آپ میرے ساتھ شام چلے چلیے، وہاں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ”خواہ میرا سر تن سے جدا ہو

جائے، لیکن میں جوار رسول نہیں چھوڑ سکتا"۔ امیر معاویہ ﷺ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لیے وہاں سے فوجیں بھیج دوں؟ فرمایا میں ہمسایگان رسول ﷺ کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا۔ امیر معاویہ ﷺ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے۔ فرمایا ﴿حسبی اللہ ونعم الوکیل﴾ (ابن اثیر ج۔۳، ص ۔۶۰) اس جواب کے بعد امیر معاویہ ﷺ مایوس ہو کر تنہا شام واپس ہو گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش اور حضرت عثمانؓ پر حملہ

: اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمان ﷺ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی۔ حضرت عثمان ﷺ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے ہر اصلاحی صورت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ چنانچہ حضرت علی ﷺ کو بلا کر فرمایا کہ "آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیجیے" چنانچہ تیس مہاجر و انصار صحابہ ﷺ نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کیا اور حضرت عثمان ﷺ نے حضرت علی ﷺ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اور آئندہ کے متعلق اپنا طرز عمل بتایا، یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے (یہ واقعات طبری ص ۔۲۹۵۶ تا ۲۹۶۱ سے ملخصا ماخوذ ہیں)

دوسری یورش اور خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ:

لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعتہً مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا، ہم کو شک ہوا، تلاشی لی، تو اس کے پاس والی مصر کے نام حضرت عثمان ﷺ کا فرمان ملا، جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا اور حضرت علی ﷺ اور محمد بن مسلمہ کے ہمراہ، حضرت عثمان ﷺ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ "نہ ایسا حکم میں نے لکھا نہ کسی سے لکھوایا اور نہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم

ہے‘ سب نے اس بیان کی تصدیق کی‘ باغیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے‘ لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے‘ اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آ گئی تھی‘ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ”جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کی خبر تک نہ ہو‘ ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے آپ خلافت سے دست بردار ہو جایئے۔ آپ نے جواب دیا۔ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا“۔ البتہ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر ندامت ہے اور آئندہ اس کی تلافی کے لیے تیار ہوں“۔ (طبری ص ۔۲۹۹۴) لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ ”اگر تم خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑیں گے“۔ اور جو شخص مزاحم ہو گا اس کا مقابلہ بھی کریں گے۔ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ ”میں سر دے دوں گا لیکن اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا“ تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہیں‘ اس لیے کہ میں کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دوں گا۔ جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا۔ اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔ (طبری ص ۔۲۹۹۶‘ و ابن اثیر ج ۔۳‘ ص ۔۶۶)

محاصرہ : اس مرتبہ پھر حضرت علی ؓ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا لیکن اب سب کے سروں پر خون سوار تھا۔ اس لیے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ باہر سے کوئی شئے اندر نہ جانے پاتی تھی۔ اس وقت بھی جان نثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی‘ لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا‘ چند نوجوان حضرت حسینؓ‘ ابن عباسؓ‘ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر ؓ وغیرہ واپس نہ گئے۔ آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا۔ حضرت علی

ؓ اورام المومنین حضرت ام حبیبہ ؓ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لیے گئے‘ لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان میں خطاو ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ حرم نبوی ﷺ کا بھی ادب و احترام نہ کیا۔ ام حبیبہ ؓ کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کیے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا‘ چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا۔ (طبری ص۔ ۳۰۱۰)

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی‘ باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا۔ ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی۔ صحابہ ؓ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے۔ یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے۔ کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت علی ؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے‘ لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے‘ چنانچہ حضرت عثمان ؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا۔ آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا‘ جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔ (ابن سعد ج۔ ۳‘ ق۔ اول‘ ص۔ ۴۷)

اتمام حجت کیلئے تقریریں: درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمان ؓ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی۔ حضرت عثمان ؓ کو مسلمانوں کے لیے اس کے تباہ کن نتائج نظر آ رہے تھے‘ اس لیے محاصرہ کی حالت میں بھی ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی۔ ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی۔

”لوگو! میرے قتل کے کیوں درپے ہو‘ میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں‘ اللہ کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی‘ لیکن بہر حال میں انسان ہوں‘ اس لیے اصابت رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں“۔

تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی؟ سب نے کہاہاں سچ ہے''۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱،ص ۵۹)

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی۔

''اے لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں' اسلام کے بعد جو مسلمان مرتد ہو جائے' یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو۔ یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے۔ اللہ کی قسم جب سے اللہ نے مجھے ہدایت دی میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا۔ نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا' پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو (مسند احمد بن حنبل ج ۱،ص ۶۱)

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی :

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہان امت نے حاضر ہو کر جان نثاری کی اجازت طلب کی۔ حضرت زید بن ثابت ؓ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے ''انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں''۔ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا' اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ (ابن سعد ج ۳' ق۔ اول' ص ۴۸)

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے عرض کیا' قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جان بازی کے جوہر دکھاؤں' فرمایا اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ

میرے لیے خون ریزی نہ کی جائے۔ (ابن سعد ج۔۳‘ق۔اول‘ص۔۴۹) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں اور اس حال میں مبتلا ہیں‘ اس لیے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمایئے۔ آپ کے پاس کافی قوت ہے‘ ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلیے اور مقابلہ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر‘ یا پھر صدر دروازہ کو‘ جس میں باغیوں کا ہجوم ہے‘ چھوڑ کر ہم آپ کے لیے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہیں۔ آپ سواری پر بیٹھ کر مکہ نکل جایئے‘ وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے‘ یا پھر شام چلے جایئے‘ وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا‘ جس کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو‘ مکہ بھی نہ جاؤں گا کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہوگا‘ شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود ہیں‘ لیکن دارالہجرۃ اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چھوڑوں گا۔ (مسند احمد بن حنبل ج۔۱‘ص۔۶۷) غرض بہی خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے۔ (ابن سعد ج۔۳‘ق۔۱‘ص۔۴۸)

شہادت کی تیاری: جتنا وقت گزرتا جاتا تھا حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی‘ اس لیے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شمع حیات بجھا دینے کا فیصلہ کرلیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا اور آپ صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے‘ اس لیے باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کردی‘ جمعہ کے دن سے روزہ رکھا ایک پائجامہ جسے

آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا' زیب تن کیا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ص ۷۲) بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت تک قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت حسینؓ' عبداللہ بن زبیر' محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے رضی اللہ عنہم باغیوں کو روکے ہوئے تھے' کچھ معمولی سا کشت و خون بھی ہوا' جب انہیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت میں مصروف تھے' لیکن ہمت نہ پا کر لوٹ آئے' اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے دشمنوں میں سے تھے' بڑھ کر ریش مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے! "اس کو چھوڑ دو تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے تھے اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمہارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا"۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سن کر محجوب ہو کر لوٹ آئے"۔ (طبری ص ۳۰۲۱)

شہادت : ان کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ (طبری ص ۳۰۱۸) ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹھ ماری کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے نہ دیکھا گیا' وہ بے تابانہ بچانے کے لیے دوڑیں' ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ یہ تلاوت فرما رہے تھے' **فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم** (ابن سعد ج ۳' ق ۱' ص ۵۱ و ۵۲)

تجہیز و تکفین : یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ مدینہ پر

باغیوں کا قبضہ تھا۔ بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی۔ دوسرے دن سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی، شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی، چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا، باختلاف روایت حضرت زبیر بن عوام یا جبیر بن مطعم ؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔ (ابن سعد ج۔۳، ق۔۱، ص۔۵۱ و طبری و ابن اثیر وغیرہ) شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی۔ مدت خلافت چند دن کم بارہ سال۔

صحابہؓ پر اثر: حضرت عثمان ؓ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا۔ آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور مخالفتیں بھی ہوئیں، لیکن اس حادثہ کے پیش آ جانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود، صحابہ ؓ مضطرب و بے قرار اور مخالفین نادم و پشیمان تھے۔ حضرت علی ؓ نے جس وقت یہ خبر سنی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ ''الٰہی! میں عثمان ؓ کے خون سے بری ہوں'، حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ''اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔ حضرت سعید بن زید ؓ نے فرمایا ''لوگو! اگر تمہاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے'، حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا ''عثمان ؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے، جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا''۔ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے فرمایا۔ ''آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔ ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا ''آج رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب بادشاہت کا دور شروع ہوگا''۔ حضرت زید بن ثابت ؓ کی آنکھیں اشکبار تھیں، حضرت ابو ہریرہ ؓ حادثہ کا ذکر کر کر کے زار و زار روتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی تھیں کہ عثمان

ؓ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک صاف ہو گئے۔ جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل و پشیمان تھے۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ حضرت عثمان ؓ کے مخالفین سے' کہتے تھے کہ 'ہم نے ابن عفان ؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور ان سے راضی تھے' تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا''۔ ایک شخص عبداللہ بن حکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا' شہادت کے بعد اتنا نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہوگا (یہ تمام اقوال ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۔۵۶' ۵۷ سے ماخوذ ہیں)

شہادت کے نتائج: حضرت عثمان ؓ کی شہادت درحقیقت تنہا آپ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا۔ بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا۔ اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تاقیامت نہ مٹے گی اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی' وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی' مسلمان' شیعہ' سنی' خارجی اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی اور عہد صحابہ ؓ سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

ازواج و اولاد: حضرت عثمان ؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ ان سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت رقیہ ؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ تھے۔ آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہے۔

عہد عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمان ؓ کو اگرچہ اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع

کی بیخ کنی کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمال حکومت سے صلاح و مشورہ کے واقعات گزر چکے ہیں۔

بعض تبدیلیاں: صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی' البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا' ایک صوبہ بنا دیا گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا۔ نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے۔

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی: عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان سے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیش نظر رکھنے کے لائق ہے' جسے نظر انداز کر دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک و شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً نہایت حلیم الطبع' نرم خو اور خطا پوش تھے۔ آپ میں عفو و درگزر کا پہلو غالب تھا۔ اس لیے آپ میں مواخذہ و احتساب کی وہ سختی نہ تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طغرائے امتیاز تھا۔ آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرما جاتے تھے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے۔ یہ فرق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نظر انداز کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار کے باوجود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمال کی شان و شوکت کو سخت ناپسند کرتے تھے' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طرز عمل میں فرق تھا جو ان کی افتاد طبع کا نتیجہ تھا۔ اس طبعی فرق کی وجہ سے گو عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا۔ پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر

انداز نہ کرتے تھے' جس سے اصول اسلام' اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو' جب کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی آپ فوراً معزول کر دیتے تھے' چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا قرض ادا نہ کرنے کے الزام میں معزول کر دیا' ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کی' سعد بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رعایا کی شکایت پر علیحدہ کیا' جس کی تفصیلی اوپر گزر چکی ہے۔ حج کے موقع پر تمام عمال طلب کیے جاتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے' چنانچہ شکایتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے۔ (طبری ص۔۲۹۴۴)

بیت المال کے محاصل و مصارف: عثمانی عہد میں بہت سے نئے ملک فتح ہوئے اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی اس کے علاوہ آپ کے عمال کے حسن انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا' چنانچہ مصر کے خراج کی مقدار دونی ہو گئی۔ (یعقوبی ج۔۲' ص۔۱۸۹)

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا' جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لیے نقد ملتا تھا ان کا کھانا بھی مقرر کیا۔ (طبری ص۔۲۸۰۴) ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

صیغہ فوج: صیغہ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں۔ بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے جو اب تک ایک چلے آتے تھے الگ کر دیئے۔ سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو روپے کا اضافہ ہوا۔ (طبری ص۔۲۸۰۴) نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر انطا کیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نوآبادیاں بسا دیں (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۳۳) فاروقی عہد میں جہاد کے گھوڑوں اور دوسرے مویشی کے لیے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔

حضرت عثمان ؓ نے ان میں اور اضافہ کیا اور ان کے متعلق چشمے جاری کرائے‘ یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ (وفاء الوفا میں چراگاہوں کی تفصیل ہے)

بحری فوج اور اسلامی بیڑہ: اس سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری فوج کا قیام ہے۔ عہد فاروقی میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے حضرت عمر ؓ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ ؓ نے ان سے بارہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی۔ آپ کے بعد امیر معاویہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ سے درخواست کی‘ آپ نے بھی پہلے انکار کیا‘ لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے‘ جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ (ابن اثیر ج۔۳‘ ص۔۳۶ و فتوح البلدان ذکر فتح قبرص) چنانچہ حصول اجازت کے بعد امیر معاویہ ؓ نے بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا‘ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ قبرص کی فتح سے امیر معاویہ ؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ والی افریقہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا‘ چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح ؓ نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی۔ (ابن اثیر ج۔۳‘ ص۔۴۵) بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا۔ بنی امیہ تلوار کے دھنی اور اور بڑے شجاع اور اولوالعزم تھے‘ اس لیے حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں قدرۃً فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی‘ جس کی شاہد ان کے عہد کی فتوحات ہیں۔ اگر درمیان میں سیاسی انقلاب نہ برپا ہو گیا ہوتا تو عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔

رفاہ عام کے کام: عثمانی عہد میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا، دفاتر کے لیے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں، رعایا کی آسائش کے لیے سڑک، پل اور مسافر خانے بنوائے، کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ بنوایا۔ (طبری ج۔ص۔۲۸۴۴) مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے متعلق ایک بازار بسایا اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے علاوہ بیرِ سائب، بیرِ عامر اور بیرِ عریس کئی کنویں کھدوائے۔ (وفاء الوفاج۔۲،ص۔۲۵۴)

بند مہروز: مدینہ خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے اس لیے کبھی کبھی یہاں سیلاب آجاتا تھا' جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا۔ حضرت عثمان ﷛ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب بند بندھوایا اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہوگئی۔ (وفاء الوفاء ج۔۲' ص۔۲۱۷)

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر: تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلے میں حضرت عثمان ﷛ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے۔ حضرت عمر ﷛ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی۔ مگر حضرت عثمان ﷛ کے زمانہ میں جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو آپ نے ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی۔ عمارت کے لیے چونا اور پتھر بطن نخل سے منگایا۔ ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کیے' ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا۔ حضرت عثمان ﷛ نے طول میں ۲۰ گز کا اور عرض میں ۳۰ گز کا اضافہ کیا (ابن اثیر ج۔۲' ص۔۳۹ و یعقوبی ج۔۲' ص۔۱۹۱' وفا الوفاء میں اس تعمیر کی پوری تفصیل ہے)

مصحف صدیقی کی اشاعت: مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرات اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے۔ یہ اوپر

معلوم ہو چکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں ہوچکی تھی۔ لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی۔ کلام اللہ کے بعض الفاظ کا املا اوران کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہوسکتا ہے' چنانچہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم املاء اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ (یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جاسکتے ہیں اوراسی طریقہ سے اس کا تلفظ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً مالک یوم الدین اور ملک یوم الدین اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس خفیف کی کوئی اہمیت نہ تھی' لیکن نومسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی' اس کی بڑی اہمیت ہوگئی۔ ہر مقام کے لوگ اپنی قرات کو صحیح اور دوسرے کی قرات کو غلط سمجھنے لگے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک جہاد میں شریک ہوئے انہوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہوجائے' چنانچہ انہوں نے واپس آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' امیر المومنین! اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی اللہ کی کتاب میں اختلاف پیدا کردیں گے۔ ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا منگایا اوراس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انہیں تلف کرا دیا۔ (بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل ہے) اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہوگیا۔

مؤذنوں کی تنخواہ: مساجد کے لیے تنخواہ دار مؤذن مقرر کیے (تاریخ الخلفاء ص۔۱۶۴)

متفرق واقعات: خلیفہ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اوران کی اخلاقی اصلاح وتربیت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے۔ مسلمانوں کو مذہبی مسائل بتاتے تھے۔ انہیں اس کی عملی تعلیم دیتے

تھے‘ جس کے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

دولت کی فراوانی اور فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو ولعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے‘ چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوشحال لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص۔۱۶۵)

فضل و کمال: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاص حاشیہ نشینان بساط نبوت میں تھے۔ اس لیے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم و عمل کا نمونہ تھی۔ کان ممن جمع بین العلم والعمل (تذکرۃ الحفاظ ج۔۱‘ ص۔۸) آپ کو ابتداء سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا‘ چنانچہ زمانہ جاہلیت سے آپ نوشت و خواند سے واقف تھے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔۴۷) تحریر میں مہارت کی وجہ سے کتابت وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی۔ (روضتہ الطھرۃ تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ) تقریر و خطابت میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا‘ لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی‘ آپ کی تحریر کے نمونے تاریخوں میں مذکور ہیں۔ مذہبی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

کلام اللہ کے ساتھ خاص شغف تھا۔ اس کی تعلیم انہوں نے خاص زبان نبوت سے حاصل کی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۔۱‘ ص۔۸) ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ (ابن سعد ج۔۳‘ ق۔۱‘ ص۔۳) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص۔۱۴۸) اس شوق و ذوق کی وجہ سے کلام اللہ پر آپ کی نظر بہت وسیع ہو گئی تھی۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ممتاز حافظ وروی جملۃً کثیرۃً من العلم (تذکرۃ الحفاظ ج۔۱‘ ص۔۱۸) لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے‘ چنانچہ فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ محفوظ نہ رکھتا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے

نہیں کیا ہے اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانے کے لیے تیار رہے۔ (مسند احمد ج۔ا' ص۔۶۵) اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد ۱۲۴ ہے۔

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھا' لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الغسل و مسند احمد بن حنبل وغیرہ) آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہ میں ممتاز تھے۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو با قاعدہ مرتب کیا۔ شیخین رضی اللہ عنہ کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل' یہی دونوں حضرات کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال ج۔۶' ص۔۷۲)

اخلاق و سیرت: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت سے صاحب ثروت تھے۔ لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار تھا' لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے برے نتائج سے آلودہ نہ ہوا۔

خشیت الٰہی اور رقت قلب: آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ آپ کا دل ہمیشہ خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا' جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ (کنز العمال ج۔۶' ص۔۷۲)

مواخذہ قیامت کا خوف: آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملے گی یا دوزخ تو میں اس کا فیصلہ ہونے

کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔ (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۷۲) اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل میں نمایاں تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت نبوی ﷺ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گونا گوں تعلقات اور آپ کی خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کو آپ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اس تعلق کی بنا پر آپ نے دو مرتبہ ان کو شرف مشاہرت سے سرفراز فرمایا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے ساتھ بیاہ دیا، لیکن یہ دولت بہت جلد آپ سے چھن گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا قلق ہوا۔ ان کی پریشانی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا، عثمان رضی اللہ عنہ کیا حالت ہے؟ عرض کی بابی انت وامی یا رسول اللہ ﷺ اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبوی ﷺ سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کی تسکین خاطر کے لیے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں برابر یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا۔ (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۷۵ اس میں دو روایتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے)

محبت رسول ﷺ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی، آپ ﷺ کی رضا جوئی کے لیے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل بیت نبوی ﷺ پر کئی دن فقر و فاقہ سے گزر گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت کئی بورے گیہوں، آٹا، کھجور، بکری کا گوشت اور تین سو درہم نقد لے کر جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا جائے۔ (کنز العمال ج۔۶، ص۔۳۷۶)

احترام رسول ﷺ: ذات نبوی کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی' اسے تا عمر محل نجاست سے مس نہیں کیا۔ (ابن سعد ج۔۳'ق۔ا تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ)

اتباع سنت و پاس فرمان رسول ﷺ: اس محبت واحترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سرتاپا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ کا فرمان ہردم ہر لحظہ پیش نظر رہتا تھا۔ آپ کے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے

فرمان کا اتنا لحاظ رکھا کہ جان دے دی لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ: آپ کا طغرائے امتیاز راہ للہ میں فیاضی ہے۔ جیسا اللہ نے آپ کو غنی بنایا تھا ویسے ہی آپ نے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی۔ اس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائیداد راہ للہ میں وقف کی تھی۔ (ابن سعد ج۔۳'ق۔ا'تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ)

فیاضی: آپ طبعاً فیاض وسیر چشم تھے' سینکڑوں بیواؤں' یتیموں اور اپنے غریب اعزہ کی پرورش کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ (نزہتہ الابرار قلمی) آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا۔

حیا: آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے۔ آپ طبعاً اتنے باحیا تھے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کی حیا کا لحاظ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے اور زانو مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ آپ نے اسے بند نہ کیا' تھوڑی دیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہیں دیکھ کر آپ ﷺ نے کپڑا برابر کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا سبب پوچھا' فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ (بخاری مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)۔

صبر و تحمل: تیسرا وصف صبر و تحمل اور عفو و درگزر ہے۔ آپ حلم وعفو کا پیکر تھے۔

آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں۔ کسی حالت میں حلم وصبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا۔ مخالفین نے رو در رو گستاخیاں کیں، لیکن اس پیکرِ حلم نے سوائے صبر وتحمل کے کوئی جواب نہ دیا۔ اگر آپ چاہتے تو باغیوں کے خون کی ندیاں بہہ جاتیں، لیکن آپ نے جان دے دی، مگر صبر وحلم کے جادۂ مستقیم سے نہ ہٹے۔

تواضع : آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لیے ان کی راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے۔ شب کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے، خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے عرض کیا گیا، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، کسی غلام کو جگالیا کیجیے، فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لیے ہے۔ (ابن سعد ج۔۳، ق۔۱، ص۔۴۱)

ذریعہ معاش : حضرت عثمان ﷺ قریش مکہ بلکہ عرب کے دولت مندترین لوگوں میں تھے۔ لاکھوں روپیہ کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا۔ اپنی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے۔ خیبر میں آنحضرت ﷺ نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں۔ آپ کی دولت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ زندگی میں لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائیداد کے پینتیس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ (ابن سعد ج۔۳، ق۔۱، ص۔۵۳)

غذا اور لباس : آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت ثروت کے گہوارہ میں رہے۔ زندگی کے کسی دور میں عسرت وتنگ دستی سے سابقہ نہ پڑا۔ اس لیے سخت اور پرمحن زندگی کے عادی نہ تھے۔ آرام وآسائش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ خوش خوراک وخوش لباس تھے۔ دسترخوان وسیع تھا۔ لیکن اس میں زیادہ اہتمام نہ تھا۔ اچھے

لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کل چار یا پانچ درہم کی تہمد میں مسجد آتے تھے۔ (مستدرک حاکم ج۔۳، ص۔۹۶)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

حضرت علی بن ابی طالب ؓ

(۳۵ھ تا ۴۰ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء)

ترجمہ ابن ابی طالب: حضرت عثمان ؓ کے بعد حضرت علی ؓ بن ابی طالب خلیفہ ہوئے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے کئی چچا تھے لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علی ؓ کے والد ابو طالب کے ساتھ تھا وہ کسی کے ساتھ نہ تھا۔ ابو طالب اس زمانہ میں جبکہ رسول اللہ ﷺ ہر طرف سے مشرکین مکہ کے زغہ میں گھرے ہوئے تھے۔ آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے۔ ان کی بیوی یعنی حضرت علی ؓ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں۔ اس لیے آپ کو ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ خاص انس و محبت تھی۔ ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی ؓ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا۔ اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علی ؓ نے آغوش نبوت میں پرورش پائی۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اول اول اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے اسی نوعمر لڑکے نے لبیک کہا' چونکہ حضرت علی ؓ کو ابتدا ہی سے تربیت صالحہ ملی تھی۔ اس لیے زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے آپ کا دامن محفوظ رہا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت علی ؓ وعظ و پند کے جلسوں اور تبلیغ اسلام کے مجمعوں میں ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور آپ ﷺ نے اس کی تعمیل کے لیے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ ''اے بنی مطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے''۔ تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ۔ ''گو میں عمر میں چھوٹا

ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا''۔ یہ آواز علیؓ بن ابی طالب کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا' اس کے جواب میں ہر مرتبہ علی ہی کی آواز آئی' اس صلہ میں آپ ﷺ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ تم میرے وارث اور بھائی ہو''۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا۔ عمل کچھ اس سے بڑھ کر بھی تھا۔ ہجرت کے واقعات میں تم اس کی تفصیل پڑھ چکے ہو۔

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ اس وقت سے حضرت علیؓ کی مستقل زندگی شروع ہوئی۔ ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت علیؓ نے ان تمام غزوات' بدر' احد' خندق' بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں کارہائے نمایاں دکھائے' جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں' اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ متعدد سرایا آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے' جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام پہنچایا۔ آنحضرت ﷺ کی آخری خدمت یعنی آپ ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی' غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ گوناگوں تعلقات و خصوصیات کی بناء پر حضرت علیؓ قدرۃً خلافت نبوی ﷺ کے متوقع تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی۔ لیکن پھر بہت جلد دور ہوگئی اور آپ دونوں خلفاء کے دور میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ حضرت عمرؓ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشوروں پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے اپنے مشوروں سے خلافت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ جب تک بس چلا' حضرت عثمانؓ کی حمایت کرتے رہے۔ ان سب کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

خلافت

بیعت خلافت : حضرت عثمان کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت

خالی رہی‘ مدینہ میں شور قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے‘ لیکن خلافت کا انتظام بہر حال ضروری تھا۔ اس وقت اکابر صحابہ ؓ میں ایک حضرت علی ؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا‘ چنانچہ مہاجرین و انصار نے جن میں حضرت طلحہ و زبیر ؓ بھی تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علی ؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے‘ جسے تم منتخب کرو گے‘ میں بھی اسے قبول کر لوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت علی ؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ غرض مسلمانوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اور امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے قبول فرمایا اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (طبری ص۔ ۳۰۲۶ ابن اثیر ج۔ ۳‘ ص۔ ۴۷) اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ ؓ شریک تھے۔ (ابن سعد ج۔ ۲‘ ق۔ ا‘ ض۔ ۲۰) بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

قاتلین عثمان ؓ کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج:

بیعت خلافت کے بعد حضرت علی علیہ السلام ﷺ کے لیے سب سے اہم مرحلہ اور آپ کا سب سے مقدم فرض حضرت عثمان ؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا تھا۔ لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس میں ناکامی ہوئی۔ حضرت علی ؓ کی جانب سے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی‘ لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی۔ حادثہ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمان ؓ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا تھیں‘ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں۔ گھر میں گھسنے

والوں میں وہ صرف محمد بن ابی بکرؓ کو پہچانتی تھیں' لیکن وہ حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے تھے اور قتل میں شریک نہ تھے۔ان کے علاوہ نائلہ رضی اللہ عنہا اور کسی کو نہ پہچانتی تھیں۔پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے' حضرت علیؓ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا۔اس لیے حضرت علیؓ مجبور ہو گئے' لیکن حضرت عثمان ؓ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہ ؓ تک صرف قصاص چاہتے تھے اور حضرت علیؓ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ جاتی تھی' چنانچہ حضرت طلحہ' زبیر اور چند صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا کہ عثمان ؓ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے۔آپ نے فرمایا تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں' لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے۔بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی۔اس لیے آگے چل کر صحابہؓ کو خود اپنے طور پر اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا' جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی' جس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

امیر معاویہؓ کی معزولی اور ان کی بغاوت: حضرت علیؓ کے لیے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری ناک صورت پیدا ہو گئی۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ عثمانی عہد کے اکثر عمال خصوصاً امیر معاویہؓ والی شام کے سخت خلاف تھے۔اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔آپ کے عاقبت اندیش خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی۔مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہؓ کے ہم پایہ تھے' حضرت علیؓ سے عرض کی کہ ابھی آپ معاویہ ؓ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹایئے' جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں' اس وقت جو دل میں آئے کیجئے گا' لیکن حضرت علیؓ

نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ حضرت ابن عباس ؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ ؓ کو معزول نہ کیجئے' اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انہیں اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ کون خلیفہ ہے' لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے تو عثمان ؓ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے' لیکن حضرت علی ؓ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۷۷ و اخبار الطّوال ص۔۱۵۱) اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کیے۔ اسی سلسلہ میں شام پر سہیل بن حنیف ؓ کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہو گئے۔ امیر معاویہ ؓ خود بڑے مدبر تھے۔ پھر بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آ رہے تھے۔ یہاں ان کا بڑا اثر تھا۔ انہیں معزول کرنا آسان نہ تھا' چنانچہ انہوں نے سہیل بن حنیف ؓ کو شام کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کر دیا۔ (طبری ص۔۲۰۸۳ و ۲۰۸۴) امیر معاویہ ؓ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علی ؓ نے ان کے پاس بیعت کے لیے علیحدہ ایک خط لکھا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ ؓ حضرت عثمان ؓ کی دردناک شہادت خصوصاً آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے۔ امیر معاویہ ؓ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمان ؓ کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں۔ اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے۔ امیر معاویہ ؓ نے حضرت علی ؓ کے قاصد کو روک لیا تھا۔ یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علی ؓ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا۔ آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔ قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمان ؓ کے پیراہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے

ہیں، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی، آپ نے فرمایا الٰہی! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں۔ (طبری ص۔۳۰۹۱)

امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں: اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا اور آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں۔ اس لیے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے۔ بہتوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں۔ کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لیے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں جانتا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں، چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے، میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا۔ (اخبار الطّوال ص۔۱۵۲) حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے، غرض بہت سے محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں شرکت سے احتراز کیا، تاہم بعضوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

اصلاح و قصاص کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمادگی: ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کی

تیاریوں میں مصروف تھے کہ دوسری طرف اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورت حال پیدا ہوگئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ میں ہی تھیں۔ یہیں آپ رضی اللہ عنہا کو واقعہ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد پیہم مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں' مکہ سے واپسی میں راستہ میں آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مدینہ میں بدامنی بپا ہے۔ (طبری ص۔ ۳۰۹۸)

یہ اطلاع پاکر آپ رضی اللہ عنہا مکہ لوٹ گئیں۔ اس کے بعد ہی حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما پہنچ گئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ "ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آرہے ہیں' مدینہ میں لوگ حیران و سرگردان ہیں' ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کرسکتے ہیں اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔ (طبری ص۔ ۳۰۹۹) یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی کے قصاص اور فتنہ و فساد کی اصلاح کی دعوت دی۔ آپ کے واپس آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہوگئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی۔

"لوگو! مختلف ملکوں کے عوام' اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو مظلوم شہید کردیا' ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی۔ انہوں نے سرکشی کرکے حرام خون بہایا' بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا' ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔ اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی ان جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے"۔

"میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کردیئے گئے اس

شوروغوغا اور فتنہ فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہو گی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو"۔ (طبری ص۔۳۰۹۷، ۳۰۹۸ ملخصا)

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی زبان سے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عامر حضرمی رضی اللہ عنہ والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا۔ اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے، ساتھ ہو گئے۔ ایک رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہیے اور اس کے پاس سواری اور زادراہ کا سامان نہ ہو۔ اس کو پورا سامان دیا جائے گا۔ چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا۔ حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا اور شرفاء کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ ان کے علاوہ تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہما ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئیں۔ (ابن اثیر ج۔۳، ص۔۹۰)

اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی وہیں ہے۔ اس لیے سیدھے مدینہ چلنا چاہیے، کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا، لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی، مدینہ جانے میں امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لیے آمادہ تھیں، لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا، لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا۔ درحقیقت مسلمانوں کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں بے نیام ہونے والی تھیں اس لیے محتاط بزرگ اس میں شرکت پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شرکت کی جب دعوت دی گئی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا میں اہل مدینہ

کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے ان کی تقلید کروں گا۔ یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف ام المومنین تھیں' مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بے گناہی کی دعوت تھی' دوسری طرف خلیفہ وقت حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تھے۔

بصرہ کی روانگی: غرض صفر ۳۵ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے روانہ ہو گئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان اس نازک گھڑی پر زار و زار روتے تھے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں کہ ''اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے''۔ اور اس دن کا نام ہی ''یوم الخیب'' یعنی یوم گریہ پڑ گیا۔ (طبری ص۔۳۱۴) جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے نکلی ہیں' چپ و راست مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ (اخبار الطّوال ص۔۱۵۳) جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے' اس ہجوم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ بہت سے مفسدین بھی شامل ہو گئے تھے' جن کا کام جنگ کی آگ بھڑکانا تھا۔

راستہ میں حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پوچھا یہ کون سا چشمہ ہے؟ معلوم ہوا حواب' یہ سن کر فرمایا مجھے یہیں سے واپس کر دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکیں گے'' لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ حواب کا چشمہ نہیں ہے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے بڑھیں۔ (یعقوبی ج۔۲' ص۔۲۱۰) بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا' عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حاضر ہو کر والی بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ ان کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تقریر فرمائی:

''اللہ کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے' واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرم

رسول (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ و فساد برپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو اللہ اور رسول کی لعنت کا مستحق بنالیا۔ انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا' معصوم خون بہایا' اس مال کو لوٹا' جوان کے لیے حرام تھا۔ مقدس شہر اور مقدم مہینہ کی بے حرمتی کی' لوگوں کی آبروریزی کی' مسلمانوں کو مارا' ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے' جوان کے رکھنے کے روادار نہ تھے۔ انہوں نے نقصان پہنچایا' مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں' میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے' اللہ فرماتا ہے لا خیر فی کثیر من نجوھم الامن امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس (لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں) ہم اصلاح کے لیے اٹھے ہیں' جس کا اللہ اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں''۔ (طبری ص۔ ۳۱۱۶)

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیف ؓ کے ایک قاصد عمران بن حصین ؓ ان جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ اور عثمان نے بزور حضرت عائشہ ؓ کو روکنے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائے گی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ جب تک علی ؓ نہ آجائیں اس وقت تک نرمی اور صلح و آشتی سے کام لینا چاہیے' لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ حضرت طلحہ و زبیر ؓ بھی مقابلہ کے لیے بڑھے اس موقع پر حضرت عائشہ ؓ نے پھر ایک تقریر کی:

''لوگ عثمان ؓ پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں

بیان کرتے تھے اور مدینہ آ کر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے۔ ہم ان شکایتوں پر غور کرتے' تو عثمان رضی اللہ عنہ کو نیکوکار' پرہیز گار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار' غدار اور جھوٹا پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ' جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی۔

خبردار ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا نا سزا ہے' وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم ترالی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ (یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے"۔ (طبری ص۔ ۳۱۱۹ ابن اثیر ج۔ ۳' ص۔ ۸۳)

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر ام المومنین سچ فرماتی ہیں' اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر ص۔ ۳۱۲) لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ہی جنگ ہو گئی۔ عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ عثمان کے شکست کھانے کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے اس سے بصرہ میں ایک جماعت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہو گئی (اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں: اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت اور آپ کے بصرہ جانے کی خبر ملی' یہ اطلاع پا کر آپ نے امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا' اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا اور نکلتے تھے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا کا مقابلہ تھا۔ لیکن قیام نظم کے لیے نکلنا ناگزیر تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کے شر کو دبانے کے لیے آپ کو چارو ناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا' لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہو گا آخر تک آپ صلح و آشتی کے خواہاں رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی کوشش تھی لیکن فتنہ پرستوں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔

محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم کی روش: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس خانہ جنگی کے خلاف تھے اور کم از کم خود اس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہل مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا۔ فاشتد الامر علیٰ اھل المدینۃ فتثا قلوا (طبری ص ۔۳۰۶۳) (یعنی اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے پہلو بچایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو' انہوں نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا۔ اہل مدینہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا' جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (طبری ص ۔۳۰۹۳)

مدینہ سے روانگی: تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہ رضی اللہ عنہم نے ساتھ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صحابی کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور

عرض کیا امیر المومنین! آپ مدینہ سے نہ نکلیے‘ اگر اس وقت نکلے تو اللہ کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا‘ لیکن اب صورت حال ایسی پیدا ہوگئی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ (طبری ص۔۳۱۰۶) مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علی ؓ کے ساتھ سات سو آدمی تھے‘ جن میں زیادہ تعداد اہل کوفہ اور بصرہ کی تھی‘ لیکن راستہ میں برابر لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی مدد: ذی قار پہنچ کر آپ نے منزل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لیے دعاۃ بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے‘ ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے۔ (طبری ص۔۳۱۴۰) حضرت حسن‘ عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ ؓ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وعظ و پند کے ذریعہ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں‘ کہ لوگو! میرا کہنا مانو‘ تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں‘ لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا‘ جب گزر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے‘ معلوم نہیں کہ اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے‘ اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو‘ نیزوں کے پھل اتار ڈالو‘ کمانوں کی تانت کاٹ دو‘ لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے والے سے بہتر ہے۔ ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا اس لیے حضرت حسن ؓ نے انہیں مسجد سے نکال دیا اور خود لوگوں کو تقریر کر کے حضرت علی ؓ کی امداد پر آمادہ کیا‘ آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا۔ (اخبار الطوال ص۔۱۵۴)

حضرت عائشہؓ کی مصالحت: کوفہ کے روسا میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو ؓ صحابی اور خیر خواہ امت تھے۔ حضرت علی ؓ نے انہیں حضرت طلحہ و زبیر ؓ کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بصرہ جا کر حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا۔ اماں جان! آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیٹا! لوگوں میں اصلاح کے لیے قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں یہ دونوں بزرگ بلا کر آئے' قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے ام المومنین سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا اصلاح کے لیے' اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں' ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت؟ انہوں نے کہا تعمیل' قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کریں گے اور اگر ہمیں نہ معلوم ہو سکا تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص' اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا' اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا۔ اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر جب آپ لوگوں نے حرقوص بن زبیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے' اگر آپ لوگوں نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں آپ کے خلاف لڑیں گے۔

غرض قعقاع نے حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ ان کی باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ' پھر تمہاری کیا رائے ہے' انہوں نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن و سکون ہے' جب حالات سکون پذیر ہو جائیں گے تو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی پریشانی ہو گی اور ان سے قصاص بھی لیا جائے گا' اس کی صورت یہ ہے کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لیے فال نیک اور رحمت ہے اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ تو امن و

امان قائم ہو گا اور نہ قصاص لیا جائے گا‘ جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لیے امن و عافیت کی کنجی تھے‘ ویسے ہی اب بھی بنیے‘ ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے کہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی۔ یہ ایک آدمی یا چند آدمی یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہیں‘ بلکہ ساری امت کا سوال ہے۔

قعقاع کی یہ تقریر اتنی موثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہ‘ طلحہ و زبیر ؓ تینوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو‘ علی ؓ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو اگر وہ بھی تمہارے ہم خیال ہو تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ قعقاع ؓ نے واپس ہو کر حضرت علی ؓ کو یہ مژدہ سنایا آپ سن کر بہت مسرور ہوئے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لیے تیار ہو گئی اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور ان سے کہا اب معاملات رو باصلاح ہو گئے ہیں اس لیے میں کل لوٹ جاؤں گا‘ تم لوگ بھی واپس جاؤ‘ لیکن جن لوگوں نے عثمان ؓ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انہیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیے (طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں ہم نے صرف ضروری حصے نقل کیے ہیں)

سبائیوں کی فتنہ انگیزی: یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ جنھوں نے حضرت عثمان ؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا اور دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے‘ سخت مضطرب ہوئے۔ چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشتر نخعی‘ ابن السوداء خالد بن ملجم‘ علبا بن ہیثم‘ شریح بن ابی اولی وغیرہ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا۔ اشتر نخعی نے کہا کہ علی مدعیان قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی ہیں‘ یعنی وہ یقیناً خون عثمان ؓ کا قصاص لیں گے‘ طلحہ و زبیر ؓ کی رائے ہم لوگوں کے بارہ میں کھلی ہوئی ہے‘ لیکن علی کی رائے اب تک نہیں معلوم۔ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں۔ ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سب

مل کر علی رضی اللہ عنہ کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے' طبری کے یہ الفاظ ہیں:

وان یصلحوا مع علی فعلی وما ئنا فھلمو نتثارب علیٰ علی فنلحقہ بعثمان (طبری ص-۳۱۶۴) لیکن اس رائے سے لوگوں نے اختلاف کیا اور دوسرے ارکان نے مختلف رائیں دیں' کسی پر اتفاق نہ ہوا' آخر میں ابن السودا نے کہا کہ علی' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو مزید غور وفکر کا موقع ہی نہ دو اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ چھیڑ دو۔ جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر علی رضی اللہ عنہ اپنے بچاؤ کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ (طبری ص-۳۱۶۵)

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علی اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کی مصالحانہ روش: سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف کچھ لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے۔ ان کی کوششیں الگ جاری تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ذی قار میں تھے اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ایک شخص ابو الجرباء نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے' علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے ملیں ایک ہزار آدمی انہیں روکنے کے لیے بھیج دینے چاہئیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں' لیکن انہوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے' پھر یہ ایک نئی صورت حال ہے جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے' اس لیے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا' قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آئندہ وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے شخص صبرہ ابن یشمان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا شر

انگیز مشورہ دیا، اس کو بھی آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ (طبری ص ۔ ۳۱۶۶)

حضرت علی ؓ کی فوج کے جنگجو بھی پیش دستی کے لیے بے چین تھے، چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ "ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہیے، وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں ممکن ہے اللہ ہمارے ہی ذریعہ جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ مجتمع کر دے"۔ اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا، اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دیں تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کریں گے جو وہ ہمارے ساتھ کریں گے۔ اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں؟ حضرت علی ؓ نے فرمایا تو ہم بھی مدافعت کریں گے۔ ابوسلامہ دوالانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوے قصاص میں اخلاص اور حسن نیت ہو تو کیا وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول ہوگا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ ابوسلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر میں آپ کے لیے کیا حجت ہے؟ فرمایا جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو۔ ابوسلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا دونوں میں سے جو بھی خالصتاً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔ (طبری ص ۔ ۳۱۶۷) اپنی جماعت کو پرامن رکھنے کے لیے ایک دن آپ نے تقریر فرمائی کہ ان لوگوں (حضرت طلحہ و زبیر ؓ وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو، اور پیش دستی سے بچو۔ آج جو شخص جنگ کی ابتداء کرے گا کل اللہ کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ (طبری ص ۔ ۳۱۶۸) غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ احنف بن قیس ؓ چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے۔

صلح کا انعقاد: اب حضرت علی ؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے

آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔ مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے۔ (طبری ص۔۳۱۸۰)

سبائیوں کی فتنہ انگیزی: سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گزر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔ دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے' چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا۔ (طبری ص۔۳۱۸۲) اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا۔ کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا واقعہ ہے۔ تاہم حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو ''رک جاؤ''۔ حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں' لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی۔ غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا اور امن و صلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے۔ فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آراء ہو گئے اور خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت زبیرؓ کی علیحدگی اور شہادت: عین ہنگامہ کارزار میں حضرت علیؓ کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی۔ انہوں نے ان سے کہا' ابو عبداللہ تم کو یاد ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا' ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان

سے ناحق لڑو گے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں مجھے یاد آ گیا۔ (مستدرک حاکم ج۔۳' فضائل زبیر رضی اللہ عنہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کرلیا اور اپنے صاحبزادے عبداللہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں پیش پیش تھے' فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کرسکتا اور علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اس لیے اب میں واپس جاتا ہوں' تم بھی لوٹ چلو' لیکن انہوں نے انکار کیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تنہا لوٹ گئے۔ (اخبار الطّوال ص۔۱۵۷) واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہو گیا۔ وادی سباع میں نماز کا وقت آ گیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے بھی اقتدا کی' جیسے ہی آپ سجدہ میں گئے' ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے آپ کا سر' گھوڑا اور زرہ کو لے کر خوش خوش حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو' اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حزن و ملال کے آثار دور کیے۔ یہ سن کر ابن جرموز بولا کیا میری جانثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں تو آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے واپسی کا قصد کرلیا۔ مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہو گیا۔ (اخبار الطّوال ص۔۱۵۸ و طبری)

ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی:

لیکن ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا' فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل ساہی بن گیا تھا۔ جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں۔ (اخبار الطّوال ص۔۱۵۷) اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن جان نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گرتا تھا' فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ (یعقوبی ج۔۲' ص۔۲۱۲)

جنگ کا خاتمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے۔ اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص اعین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے وہ بلبلا کر بیٹھ گیا اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ (طبری میں جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہیں انہیں غیر ضروری سمجھ کر صرف نتیجہ لکھ دیا گیا ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے نہ کسی کا مال لوٹا جائے' جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کرے وہ مامون ہے۔ (اخبار الطّوال ص۔۱۶۱ و یعقوبی ج۔۳' ص۔۲۱۳) یہ اعلان ہوتے ہیں آپ کی فوج نے ہاتھ روک لیے' بعض آدمیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' امیر المومنین جب ان کا مال ہمارے لیے جائز نہیں تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی؟ فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت' ہاں جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کر سکتے ہو۔ تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس

کی تعمیل کرو اور جس بات کو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔ (اخبار الطّوال ص ۔۱۶۱)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری: اختتام جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا وزخم چشم تو نہیں پہنچا اور انہیں لے کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ (اخبار الطّوال ص ۔۱۶۱) اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ ہم دونوں کو معاف فرمائے' اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ (طبری ص ۔۳۲۲۰)چند دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آرام کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عزت واحترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں اور سواری' زادراہ' نقد وجنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی۔ بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا' میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیے' میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی' وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ام المومنین رضی اللہ عنہا سچ فرماتی ہیں' اللہ کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی' وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم ہیں۔ اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند میل

تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (طبری ص۔۳۲۳۱ و ابن اثیر ج۔۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔ جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی۔ آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر۔ دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تا عمر اس کی ندامت رہی۔ جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار و زار رونے لگتی تھیں اور فرماتیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے دنیا ہی سے اٹھ گئی ہوتی۔ (مسند احمد بن حنبل)

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخلفاء میں یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے نقل کیے ہیں۔ (ازالۃ الخلفاء مقصد دوم ص۔۲۸۳)

کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا: جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس تشریف لائے اور مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حرم نبوی ﷺ کی بڑی توہین ہوئی۔ اس لیے آئندہ اس کو شر و فتن سے بچانے کے لیے آپ نے سیاسی مرکز یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی بڑی تعداد عراق میں تھی۔ اس لیے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لیے زیادہ اہم تھا۔ اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے۔ ان کا مرکز عراق رہا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے، جس کے نتائج ان کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے۔

عمال کا تقرر: کوفہ آنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے ملک کا نظم و نسق قائم کیا۔ سہل بن حنیف کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر مقرر کیا۔ اشعث بن قیس کو

آذربائیجان کی ولایت پر برقرار رکھا' یزید ابن قیس ارجی کو مدائن پر' عمرو بن ابی سلمہ کو بحرین پر' مصقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر' منذر بن جارود کو اصطخر پر' زیاد بن ابیہ کو فارس پر' قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر' عدی بن حاتم کو بہرہ سر پر' ربعی بن کاس کو سیستان کے علاقہ پر' خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر' اشتر نخعی کو نصیبین' دارالجیر و سنجار' آمد' میافارقین' ہیت' عانات اور شام کے مقبوضات پر مامور کیا۔ امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے انہیں روکا' انہوں نے مقابلہ کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن خالد کو مدد کے لیے بھیجا۔ اشتر' موصل لوٹ آئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ (عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی اور آپ سے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے۔ درمیان میں جنگ جمل پیش آ جانے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے' اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو خط دے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' انہوں نے میری بیعت کر لی ہے اس کے بعد کسی کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے۔ ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا اس سے بزور لی جائے گی۔ مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو۔ عافیت اور سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت آڑ بنا چکے۔ بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو' میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا''۔ (اخبار الطوال ص ۱۶۷) اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چند در چند مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ محمد بن حذیفہ جو ان کے شدید مخالفین میں تھے' قید خانہ سے نکل بھاگے تھے۔ رومی

علیحدہ سواحل شام پر حملہ کے لیے فوجیں جمع کر رہے تھے۔اسی درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ تہدیدی خط پہنچا۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔انہوں نے کہا محمد بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔انہیں تلاش کراؤ' اگر مل جائیں تو فبہا' ورنہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کر لو اس شرط پر وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا۔علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا معاملہ البتہ اہم ہے' مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا' انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی ہے اور فتنہ برپا کر کے امت میں پھوٹ ڈالی ہے۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے' مصر کی حکومت۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں ہو گی۔عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے۔اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے' چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔ (اخبار الطوال ص۔۱۶۸)

شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپیگنڈا: اس وعدہ کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے علی رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں۔اس لیے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں علی رضی اللہ عنہ کی شرکت تھی۔شام کے سب سے با اثر آدمی شرجیل بن سمط کندی ہیں۔پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ' پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بتائی ہوئی

تدبیر پر عمل کر کے شرحبیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بھی شامل تھا۔ شرحبیل کو اس کا اتنا یقین ہو گیا کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم نے علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دیں گے۔ امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا متبع ہوں۔ آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا۔ شرحبیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کیے ہوئے حل نہیں ہو سکتا۔ آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے' چنانچہ شرحبیل نے شام کے تمام شہروں کا دورہ کر کے یہاں کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے۔ وہ شمشیر بکف یہاں بھی آئیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ اس لیے خلیفہ مظلوم کے قصاص میں ان کا ساتھ دو۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ (اخبار الطّوال ص۔ ۱۷۰)

دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیوں کی' جن کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا' نمائش برابر جاری رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لیے انہیں دمشق طلب کیا گیا۔ یہ منظر ایسا درد انگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے' چنانچہ فوج سے لے کر امراء و عوام تک سب کے جذبات بھڑک اٹھے اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے۔ (طبری ص۔ ۳۲۵۵)

حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے قاصد جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک روکے رکھا تھا' یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد انہیں واپس کیا۔ انہوں نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ وہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔ (طبری ص۔ ۳۲۵۵)

حضرت علیؓ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوششیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے لیے آمادہ تھے صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد آپ کے لیے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا' چنانچہ اس کے انتظامات شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں۔ بعض مخلص اور خیر خواہ امت مسلمانوں نے اسے روکنے کی تدبیریں کیں اور شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے' پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے۔ ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دے دو میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر جاؤں گا' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط لکھا:

''اما بعد! خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا

کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت بازو' تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے برات کرتے ہو۔ اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ اللہ احد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے''۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں' اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے' ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہیں گے اور آپ کے لیے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا۔ یہ مطالبہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے۔ یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ ''ہم سب عثمان کے قاتل ہیں''۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی' لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ:

''عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں' میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں

بھڑکایا البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا' مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمان کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے' وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا''۔

اور عمرو بن العاص کو لکھا:

''دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرز عمل سے باز آؤ' معاویہ ؓ کی غلط روی میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو'' (اخبار الطّول ص۔۱۷۳'۱۷۴ میں یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہیں ہم نے خلاصہ لکھا ہے)

حضرت علیؓ کی روانگی: لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ امیر معاویہ ؓ اپنی ضد پر اڑے رہے اس لیے حضرت علی ؓ کو چار و نا چار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا اور آپ حضرت ابو مسعود انصاری ؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے' اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہؓ' سات سو بیعت رضوان کے جان نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابی تھے۔ (یعقوبی ج۔۲'ص۔۲۱۸) فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح ابن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔

عراقی اور شامی مقدمتہ الجیش کا سامنا: امیر معاویہ ؓ پہلے سے جنگ کے لیے نکل چکے تھے۔ ان کا مقدمتہ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لیے ابو الاعور سلمی کی قیادت میں آگے آگے تھا۔ دوسری طرف زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آ رہے تھے' سور روم میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حضرت علی ؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی مدد کے لیے بھیجا' ابو الاعور لوٹ گیا اور امیر معاویہ ؓ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی۔

صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی: یہ اطلاع پانے کے بعد

ہیں)

جنگ کا آغاز: جمادی الاول ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ آخر جمادی الثانی تک قائم رہا' لیکن کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی۔ بلکہ ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح و شام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی اشہر حرم کی حرمت میں جنگ روک دی گئی۔

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی: التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو' چنانچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ باہلی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں' پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کے لیے' ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے' اگر وہ انہیں ہمارے حوالہ کر دیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کروں گا''۔ ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ سنایا۔ اسے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں' یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔ (اخبار الطّوال ص۔ ۱۸۰' ۱۸۲)

خونریز لڑائیوں کا سلسلہ: غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی' جس کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا۔ ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں اور انہیں لکھنا بیکار ہے۔ مختصر یہ کہ فریقین کے درمیان کم و بیش نوے معرکے ہوئے ان میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے۔

(ابو الفداء جلد اول ص۔۱۷۵) ہزاروں عورتیں بیوہ، لاکھوں بچے یتیم ہو گئے' درمیان میں مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے ایک ایک دو دو جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی۔

لیلتہ الحریر کی فیصلہ کن جنگ: ان تمام لڑائیوں میں فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا' دونوں کا پلہ قریب قریب برابر تھا۔لیلتہ الحریر کا آخری معرکہ بڑا خونریز تھا۔اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی۔میدان جنگ میں کشتوں کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔دوسرے دن صبح کو مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی۔اس سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر تیاریاں شروع کر دیں۔اس معرکہ سے پہلے کی لڑائیوں میں فریقین کا پلہ برابر رہا تھا' لیکن لیلتہ الحریر کے خونریز معرکہ میں شامی کمزور پڑ گئے تھے اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے اور دونوں فریق کے عاقبت اندیش لوگوں کو نظر آ رہا تھا کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہے گی' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل و عیال کو قید کر لیں گے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑ لے جائیں گے۔ (اخبار الطوال ص۔۲۰۱) علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گذشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آئندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی۔ (اخبار الطوال ص۔۲۰۱) لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ اب شامی کوئی دم میں میدان چھوڑنا چاہتے ہیں' اس لیے لیلتہ الحریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا کہ لوگو اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے تمہارا حریف آخری سانسیں لے رہا ہے' فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک تدبیر اور علوی فوج میں

اختلاف: امیر معاویہ ؓ کو بھی اپنی فوجی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا' انہوں نے عمرو بن العاص ؓ سے مشورہ کیا' انہوں نے کہا ایسے وقت کے لیے میں نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیں' اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں علی ؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ (طبری ص۔۳۳۲۹ و اخبار الطّوال ص۔۲۴۱) چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے' اس کے پیچھے ہزاروں قرآن نیزوں پر بلند تھے' فضل بن ادہم شریح جذامی اور ورقاء بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا! یا معشر عرب! اللہ کے لیے اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم سے بچاؤ۔ (اخبار الطّول ص۔۲۰۴) اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا۔ (طبری ص۔۳۳۲۹) آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں' اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لیے واجب التسلیم ہو۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی' حضرت علی ؓ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے مخالفت کی۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ "یہ محض فریب ہے"۔ لیکن ایک بڑی جماعت پر یہ جادو چل گیا' اس نے کہا کہ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کے لیے تو ہم ان سے لڑ رہے تھے۔ اب جبکہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے' بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی عثمان ؓ کے پاس پہنچا دیں گے۔ (طبری ص۔۳۳۳۰) دوسری طرف امیر معاویہ ؓ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طویل کھنچ گئی ہے۔ ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے اس جھگڑے کو چکانے کے لیے ہم نے قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے اگر اسے وہ لوگ قبول کریں گے تو فبہا' ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی۔ اس اعلان کے ساتھ حضرت علی ؓ کو بھی لکھا کہ "اس خونریزی کا

مواخذہ میرے اور تمہارے سر ہے اب میں تم کو اس کے بند کرنے' الفت و محبت قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں''۔ (اخبار الطّوال ص ۔ ۲۰۴)

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت میں خود ان کی فوج میں پھوٹ پڑ رہی ہے تو چار و ناچار تحکیم کے لیے آمادہ ہو گئے اور جنگ روک دی۔ آپ کے بعض ہوا خواہوں پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا۔ ان میں اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والوں میں سخت گفتگو ہو گئی اور قریب تھا کہ عراقی فوج میں آپس ہی میں تلواریں نکل آئیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ (طبری ص ۔ ۳۳۳۲) التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک حکم مقرر کیا جائے' یہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دیں۔ اس قرارداد کے بعد شامیوں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو اپنا حکم بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے ان لوگوں نے جو تحکیم کی حمایت میں تھے اپنی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے اختلاف تھا۔ آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں۔ لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے' ان کے فہم و تدبر پر بھی ہمیں بھروسہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کے بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا جائے' لیکن جب لوگوں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تھا' اس تجویز پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز ہیں' حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے۔ اشعث بن قیس نے کہا کہ انہی نے یہ آگ بھڑکائی ہے' اس لیے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو چار و ناچار ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئے۔ (طبری ص ۔ ۳۳۳۲ و اخبار الطّوال ص ۔ ۲۵ ۔ ۷) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے ساتھ ہی تھے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خانہ جنگی سے بچنے کے لیے نواح شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔وہاں سے بلا کر لائے گئے‘ وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض مشیروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کام کے نہیں ہیں۔اس لیے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے۔آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے۔

تحکیم کا عہدنامہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا۔کتابت شروع ہوئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انہیں امیر المومنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے؟‘‘حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا‘ آپ نے فرمایا یہ تو سنت نبوی ﷺ ہے‘ حدیبیہ کے معاہدہ میں ’’رسول اللہ‘‘ کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ (ﷺ) لکھ دیا تھا‘ اس لیے امیر المومنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے‘ چنانچہ امیر المومنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہدنامہ مرتب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

’’علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا ہے۔یہ دونوں کسی فریق کی رو رعایت کے بغیر امت کی خیرخواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق جو فیصلہ کر دیں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو گا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے‘ لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہو گا۔فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے

گی اور کامل امن وامان قائم رکھا جائے گا' اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔ دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہونا چاہیئے' لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کر سکتے ہیں' اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو ازسر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔ (یہ عہدنامہ طبری اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہے)

اس عہدنامہ پر فریقین کے تمام لوگوں کے دستخط ہو گئے اور عراق کی سرحد پر دومتہ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لیے مقرر ہوا' تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا۔ اسے سن کر حضرت علی ؓ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا۔ جس نے بعد میں خارجی فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

حکمین کی گفتگو: معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ عمرو بن العاص ؓ بڑے مدبر اور دانشمند تھے۔ انہوں نے پہلے ہی سے تعظیم و تکریم کے ذریعہ ابوموسیٰ اشعری ؓ پر اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ خود خاموش رہتے' ہر معاملہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے کہتے کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ ﷺ کے مقتدر صحابی ہیں پہلے آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیے' بہر حال دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوموسیٰ اشعری: ابن العاص! ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور امت کی فلاح دونوں باتیں حاصل ہوں۔

عمرو بن العاص: کس کو؟

ابوموسیٰ اشعری: عبداللہ بن عمر ؓ کو جن کا دامن ان ہنگاموں سے بالکل پاک ہے۔

کے مقابلہ میں کسی طرح معاویہ ؓ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر تم چاہو تو عبداللہ بن عمر ؓ کو خلیفہ بنا کر عمر ؓ بن الخطاب کا نام زندہ کر دیں۔

عمرو بن العاص: تو پھر میرے لڑکے عبداللہ میں کیا خرابی ہے اس کے علم وفضل اور شرف ومناقب سے آپ واقف ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری: بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے' لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اس کا دامن داغدار ہو گیا ہے' آؤ طیب بن طیب عبداللہ بن عمر ؓ کو خلیفہ بنا دیں۔

عمرو بن العاص: خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو ایک ڈاڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ اشعری: آپس میں خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے' اب ان کو دوبارہ اس فتنہ میں نہ ڈالو۔

عمرو بن العاص: پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

ابوموسیٰ اشعری: میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے انتخاب کا حق دیا جائے۔

عمرو بن العاص: مجھے اس سے اتفاق ہے' امت کی بھلائی اسی میں ہے۔ (اس گفتگو میں طبری اور اخبار الطّوال کے بیانات میں بعض جزوی اختلاف ہیں' ہم نے دونوں کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے)

فیصلہ کا اعلان: اس قرارداد کے بعد دونوں حکم فیصلہ سنانے کے لیے دومتہ الجندل آئے۔ دونوں فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیئے تھے۔ یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا۔ اس لیے ہزاروں مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عمر' مغیرہ بن شعبہ اور سعد بن ابی وقاص ؓ وغیرہ جو اس جنگ میں

غیر جانبدار تھے' فیصلہ سننے کے لیے آئے۔ بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس پر قائم نہ رہیں گے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں' تو اس کے اعلان میں خود پیش قدمی نہ کیجئے گا' بلکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اعلان کرائیے گا' وہ چالاک آدمی ہیں' مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دھوکہ دے جائیں گے' لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی سادگی کی بنا پر سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے' فرمایا یہ نہیں ہو سکتا' ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۴) غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا۔ ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا' پہلے تم سناؤ' انہوں نے کہا آپ فضل و منقبت میں مجھ سے افضل ہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کی جرات نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر یہ جادو چل گیا' چنانچہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا۔

''اما بعد! لوگو ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ اس امت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کر لیں۔ اس لیے میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتا ہوں' آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ''۔

ان کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا: امابعد! لوگو! ''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فیصہ آپ لوگوں نے سن لیا انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں' لیکن میں اپنے آدمی معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار

رکھتا ہوں، وہ امیر المومنین عثمان ﷺ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لیے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

یہ فیصلہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ چلائے کہ یہ غداری ہے۔ اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس فیصلہ سے قدرۃً حضرت علی ﷺ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص ﷺ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا۔ شامی ابوموسیٰ اشعری ﷺ کی تلاش میں تھے، وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے۔ اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہ ﷺ کے حامیوں نے انہیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کر لیا۔ (اخبار الطوال ص۔ ۲۱۴ و طبری)

خوارج کی سرکشی: یہ فیصلہ ایسا منصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علی ﷺ نے امیر معاویہ ﷺ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ابھی اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی سازش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو امیر معاویہ ﷺ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کر کے پہلے ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علی ﷺ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی، لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، مگر پھر تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہوگئی اور تحکیم کو کفر قرار دیا۔ یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس زمانہ میں دو آدمیوں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علی ﷺ سے کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے اور ہمارے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیجئے، لیکن تحکیم کا عہد نامہ لکھا جا چکا تھا۔ اس سے حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خود اس کی مخالفت کی تھی، لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے مجبور کیا۔ اب عہد نامہ لکھ

چکا ہوں اس کو نہیں توڑ سکتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ "جو عہد کرو اسے پورا کرو"۔۔۔ خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے' آخر میں انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم اللہ کے لیے آپ سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی۔ (اخبار الطوال ص۔۲۱۶ و ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۳۳)

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے' اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عملی مخالفت شروع کر دی۔ اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے اور حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں اور ان سے جہاد فرض ہے۔۔۔ ان عقائد کی اشاعت کر کے کوفہ' بصرہ' مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک معتد بہ جماعت اپنی ہم خیال بنا لی اور خفیہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہو گئے اور دوسرے شہروں کے خوارج کو اس کی اطلاع دے دی۔ مدائن کے والی سعید بن مسعود کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ہو گئی۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ کرخ میں دونوں کا سامنا ہوا۔ سعید کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کے بارہ میں امیر المومنین کا کوئی حکم نہیں۔ اس لیے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے۔ پہلے امیر المومنین سے لکھ کر دریافت کر لیجئے۔ اس مشورہ پر سعید نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔

نہروان میں اجتماع : کوفہ سے نکلنے کے قبل ان لوگوں نے بصرہ وغیرہ کے خارجیوں کو نہروان میں اجتماع کی خبر دے دی تھی' چنانچہ بصرہ سے پانچ سو کی جماعت روانہ ہوئی۔ یہاں کے والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابو الاسود دولی کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انہوں نے تستر میں انہیں پکڑ لیا۔ لیکن رات ہو چکی تھی اس لیے خارجی نکل گئے اور نہروان میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ راستہ میں انہیں جو مسلمان ملتا تھا۔ اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ میں کیا

رائے ہے۔ اگر وہ برات ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے ورنہ قتل کر دیتے۔ (اخبار الطوال ص۔۲۱۶)

خوارج کو دعوت اتحاد: یہ وہ زمانہ تھا' جب حضرت علی ﷺ امیر معاویہ ﷺ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا:

''ہم نے جن آدمیوں کو حکم بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس لیے ہم نے اس فیصلے سے برات ظاہر کی اور آپ پھر پہلی حالت پر آ گئے۔ (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے' تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ ہم اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

خوارج نے اس خط کا جواب دیا:

''تم کو اس فیصلہ پر اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنے نفس کے خاطر برہمی ہے۔ اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کرو تو ہم تمہارے سوال پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑیں گے اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا''۔ (اخبار الطوال ص۔۲۲۰)

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریاں جاری رکھیں اور صوبوں کے عمال کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا۔ آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوجیں جمع ہو گئیں۔

لیکن اس درمیان میں خارجیوں کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی' کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی۔ جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کر دیتے۔ چنانچہ ایک صحابی عبداللہ بن خباب ﷺ کو اسی جرم میں شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے قتل کر دیا۔ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۳۶) ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' امیر المومنین آپ اس فتنہ انگیزی کے لیے خارجیوں کو آزاد چھوڑ کر کہاں کا قصد فرما رہے ہیں؟ آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر ہو جائیں گے۔ پہلے ان کی سرکوبی کیجئے اور انہیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچایئے' اس کے بعد شام کا قصد فرمایئے گا۔

اتمام حجت: خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی صف آرائی شروع ہو گئی۔ جنگ چھڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کو پاس پیام کہلا بھیجا کہ:

''تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو' تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ شاید اللہ تم کو راہ راست پر لے آئے''۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں۔ (اخبار الطّوال ص۔۲۲۰)

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابوایوب انصاری اور قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی' لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے' آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے سامنے تقریر کی۔

''اے وہ گروہ جسے محض اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے تم لوگ شبہ اور غلطی میں مبتلا ہو' میں تم کو اس سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ رب تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے سرپنچوں سے یہ شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے' لیکن تم ہی نے اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اسی شرط پر اسے

منظور کیا تھا کہ دونوں حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کریں گے جس کو قرآن نے ختم کیا ہے' لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کر کے کتاب و سنت کی مخالفت کی۔ اس لیے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا۔ اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے"۔

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا:

"جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی۔ اس وقت کافر ہو گئے تھے۔ اب ہم نے توبہ کر لی ہے اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اگر میں کفر کا اقرار کر لوں تو گمراہی میں مبتلا ہوں گا' مناسب صورت یہ ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لیے بھیجو اگر وہ مجھے قائل کر دے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لوں گا اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ (اخبار الطوال ص۔ ۲۲۱' ۲۲۲) اس تجویز پر خارجیوں نے عبداللہ بن الکواء کو گفتگو کے لیے بھیجا۔ دونوں میں مباحثہ ہوا لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور ہو کر مقابلہ میں آنا پڑا۔ تاہم آغاز جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو امان کا حکم دے کر اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آ جائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے۔ اس اعلان پر ایک خارجی سردار فردہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے' اس لیے لوٹ جانا چاہیے اور اس وقت تک حصہ نہ لینا چاہیے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کر لینے میں سے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں' چنانچہ وہ پانچ سو آدمیوں کو لے کر لوٹ گیا۔ ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی۔ ایک ہزار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور عبداللہ بن وہب

مقرر کیا تھا۔ یہ بڑے مدبر اور مصلحت شناس تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے مصریوں سے حضرت علی ؓ کی بیعت لے لی تھی۔ صرف ایک مقام خرتبا کے باشندوں نے جو حضرت عثمان ؓ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہیں کی۔ قیس نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لیے آمادہ ہیں' ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خرتبا نے بیعت نہیں کی لیکن خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا' یہ واقعہ جنگ جمل کے پہلے کا ہے۔

قیس بن سعد ؓ عرب کے نامور مدبر تھے اس لیے امیر معاویہ ؓ جب حضرت علی ؓ کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرو بن العاص ؓ کی طرح انہیں بھی ملانا چاہا' چنانچہ ان کو خط لکھا کہ ''تم بھی قاتلین عثمان ؓ کے ساتھ ہو' اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لیے مخصوص رہے گی۔ حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہو گا' جس کو چاہنا حاکم بنانا۔ اس کے علاوہ اور جو تم چاہو میں سب پورا کرنے کے لیے تیار ہوں' اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو''۔

اس وقت امیر معاویہ ؓ اور حضرت علی ؓ کی کشمکش کا آغاز تھا۔ ملک کی حالت مذبذب تھی۔ اس لیے قیس نے گول مول جواب دیا۔ امیر معاویہ بڑے جہاندیدہ تھے وہ سمجھ گئے۔ انہوں نے لکھا کہ:

''تم نے ایسا جواب دیا ہے' اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے۔ میرے جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آ سکتا۔ میرے پاس کافی قوت ہے''۔۔۔ قیس بن سعد ؓ نے اس کا نہایت سخت جواب دیا کہ۔ ''مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے' تم مجھ کو ایک مستحق خلافت' حق

گو حق پرست سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ ﷺ کے قریب عزیز کے مقابلہ میں ایک جھوٹے گم کردہ راہ اور رسول اللہ ﷺ سے بعید شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو' تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو۔ یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑ جائیں گے''۔

قیس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا۔ ان کی موجودگی میں مصر ان کے قبضہ میں نہیں آ سکتا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قیس طمع اور خوف سے ان کے دام میں آنے والے نہیں تو مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس ہمارے خاص آدمی ہیں اور شامیوں کو منع کر دیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو۔ وہ ہمارے ساتھ ہیں' خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال ساتھ ہیں۔ خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال خرتبا والوں کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے۔ ان کے روزینے اور عطیے جاری ہیں۔ اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس کا ایک فرضی خط بھی سنا دیا۔ جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ شام کے علوی جاسوسوں نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیا۔ آپ کو اس کے یقین کرنے میں تامل ہوا' لیکن ان دونوں نوجوانوں نے قیس رضی اللہ عنہ کی معزولی پر اصرار کیا' اسی دوران میں قیس بن سعد کا ایک خط پہنچا اس میں انہوں نے اہل خرتبا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی۔ اس سے گویا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور محمد بن جعفر کو قیس کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے قیس کے نام اہل خرتبا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھا دیا۔ قیس نے جواب میں لکھا...... ''آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں جو اب تک غیر جانبدار رہیں' جہاں ان کو چھیڑا گیا' وہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے۔

میرا مشورہ قبول کیجئے۔ ان سے تعرض نہ فرمائیے''۔

لیکن حضرت علیؓ کی رائے پر دونوں نوجوان غالب آ گئے تھے۔ محمد بن جعفرؓ نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر بھجوا دیا۔ قیس بن سعدؓ کو یہ فطرتاً ناگوار ہوا۔ انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ سے پوچھا۔ امیر المومنین نے مصر کی حکومت میں کسی اور کو بھی شریک کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں' حکومت آپ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی' لیکن ظاہر ہے کہ یہ دوعملی نہیں چل سکتی۔ خصوصاً جبکہ ابن ابی بکر قیسؓ کی پالیسی کے خلاف تھے' اس لیے قیس مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر ج۔۳' ص۔ ۱۰۷ و ۱۰۸ سے ماخوذ ہیں) محمد بن ابی بکرؓ بالکل ناتجربہ کار تھے' جوانی کا جوش تھا۔ پالیسی سے کام لینے کی بجائے خرتبا والوں پر فوج کشی کر دی۔ یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ کو فاش شکست ہوئی۔ ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علیؓ کے خلاف تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ کے اس طرز عمل نے اور لوگوں کو بھی مخالف بنا دیا اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے' اعلانیہ قصاص عثمانؓ کی دعوت شروع کر دی۔ اس طرح مصر کی فضا مسموم ہو گئی۔ (طبری ص۔ ۳۳۹۱' ۳۳۹۲) حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لیے بھیجا لیکن امیر معاویہؓ کے اشارہ سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی۔ انہوں نے لکھا تم فوراً آؤ' ہم سب تمہارے منتظر ہیں۔ تم کو ضرور کامیابی ہو گی۔ یہ جواب آنے کے بعد امیر معاویہؓ نے لوگوں کے مشورہ سے عمرو بن العاصؓ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ یہاں کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا۔ انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے خلاف ہو چکے ہیں

اور تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں' اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کر دیں گے۔ اس لیے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے۔ (طبری ص۔۳۴۰۱)

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ مقدمتہ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ بڑے شجاع و بہادر تھے۔ بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیوں کا مقابلہ کیا' جو دستہ آگے بڑھتا تھا اسے پسپا کر دیتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن خدیج کو اشارہ کیا۔ انہوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے۔ کنانہ نے گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کر دیا' لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ بالآخر وہ لڑتے لڑتے مارے گئے۔ کنانہ مصری فوج کے قوت بازو تھے ان کے قتل ہوتے ہی مصریوں نے میدان چھوڑ دیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے' لیکن معاویہ بن خدیج نے ڈھونڈ نکالا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرا دیا۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۴۳) اور مصر پر ۳۸ھ میں ان کا قبضہ ہو گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی بنا دیا۔

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہ کی پیش قدمی اور اس کے نتائج: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے۔ ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر نگین تھا۔ اس لیے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا۔ اس کی تفصیل بیان کرنا محض تطویل ہے' مختصر حالات یہ ہیں:

سب سے اول ۳۹ھ میں نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا یہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی۔

اسی سنہ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا۔ وہ ہیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مگر وہ جا چکے تھے۔ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لیے تیماء روانہ کیا' وہ یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیّب بن بخیہ فزاری کو مقابلہ کے لیے بھیجا' تیماء میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ کچھ شامی بھاگ نکلے۔ مسیّب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی' لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا اور وہ باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے۔ اسی سنہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باجگذار اعراب پر تاخت کرنے کے لیے بھیجا یہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حجر نے ان کے انیس آدمیوں کو قتل کیا اور شامی رات کی تاریکی میں نکل گئے۔

ذی الحجہ ۳۹ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کے لیے بھیجا۔ یہاں کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لیے ابھارا۔ لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے قثم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا' لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روکا۔ اس دوران میں شامی پہنچ گئے۔ لیکن کسی سے تعرض نہیں کیا۔ قثم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے چکے تھے' وہاں سے ریان بن ضمرہ اور

ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فوجیں لے کر مقابلہ کے لیے پہنچے لیکن ابن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے' اس سے البتہ جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ میں حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا۔ میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ یہ تجویز معقول تھی' اس لیے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے قثم سے کہا' وہ الگ ہو گئے اور لوگوں نے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا' چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوا۔ اختتام حج کے بعد ابن شجرہ واپس گئے۔ اسی سنہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا۔ یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے۔ انہوں کمیل بن زیاد کو اطلاع دی وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمٰن کو نہایت سخت شکست دی۔ شامیوں کی بڑی تعداد کام آئی اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد شبیب بھی پہنچ گئے۔ اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے۔ شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کرایا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجا لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چکے تھے۔ اسی سنہ میں زبیر رضی اللہ عنہ بن مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبداللہ اشجعی رضی اللہ عنہ کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان میں اور زبیر میں جنگ ہوئی' جعفر کام آئے۔

دومتہ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے۔ انہوں نے اب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کی بیعت نہ کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقبہ کو ان سے بیعت کے لیے بھیجا' لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لیے بھیجا۔ ان میں اور مسلم بن عقبہ میں جنگ ہوئی' مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے۔ اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی

ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ بسر اس وقت نجران میں تھا۔ علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا۔ جاریہ اور وہب' بسر کی جماعت کے چند آدمیوں کو قتل کر کے مکہ پہنچے اور اہل مکہ سے حضرت علی ﷜ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسن ﷜ کی بیعت لی اور چند دن مدینہ میں ٹھہر کر کوفہ واپس گئے (یہ حالات طبری ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

فریقین میں مصالحت : اس مسلسل خانہ جنگی' خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علی ﷜ اور امیر معاویہ ﷜ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے حجاز و عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی ﷜ کے پاس رہا اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہ ﷜ کے حق میں آیا۔

فتوحات : حضرت علی ﷜ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں میں گزرا۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لیے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی' اس لیے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا۔ تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۳۸ھ میں بحری راستہ سے کوہ کن پر حملہ ہوا۔ (فتوح البلدان بلاذری)

بغاوتوں کا استیصال : مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں بپا ہو گئی تھیں۔ کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے۔ بعض اور علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے۔ حضرت علی ﷜ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا۔ اس نے بغاوت فرو کر کے باغی علاقوں کو قابو میں کیا۔

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ : ۴۰ھ میں حضرت علی ﷜ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے اس جماعت کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن ملجم' برک بن

عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بیکار ہے۔ معاویہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت میں مبتلا ہے۔ بغیر انہیں ختم کیے ہوئے امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا' چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا اور تینوں نے ایک ہی دن رمضان ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ اتفاق سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لیے آیا تھا۔ ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اوچھا وار لگا۔ اس لیے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے۔ ابن ملجم اور شبیب ابن بجرہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گزرگاہ پر چھپ رہے۔ جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دونوں نے حملہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاری زخم آیا۔ آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے۔ شبیب تو نکل گیا لیکن ابن ملجم گرفتار ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے۔ (ابن سعد ج۔۳' ص۔۲۴) اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا۔ صرف میرا قاتل قتل کیا جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ (طبری ص۔۳۴۶۱' ابن اثیر ج۔۴' ص۔۱۵۶) خنجر زہر آلود تھا' اس لیے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی اور حالت خراب ہونے لگی۔ حضرت حسن و

حسین اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دنیا میں خیر و برکت کی وصیتیں فرمائیں۔ آپ کی زندگی سے مایوسی تھی اس لیے جندب بن عبداللہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔ (طبری ص ۳۴۶۱) زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰/ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشد وہدایت کے اس آفتاب و عالمتاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ انتقال کے وقت بروایت صحیح تریسٹھ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے۔

ازواج و اولاد: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت حسن و حسین و محسن رضی اللہ عنہ تھے۔ محسن رضی اللہ عنہ کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا اور صاحبزادیوں میں زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما تھیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خولہ کے بطن سے محمد بن علی رضی اللہ عنہ تھے جو محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اولادیں تھیں، جن کا نہ کوئی کارنامہ ہے اور نہ انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی ہے۔

عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ پر ایک نظر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا عہد خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا۔ ایک دن کے لیے بھی آپ کو ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ اس لیے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے

سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔ ان حالات کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے جنہوں نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے۔ اس کا اندازہ عہد صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس وقت تخت خلافت پر قدم رکھا اس وقت سارا عرب پر آشوب ہو رہا تھا۔ بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے۔ بعضوں نے اسلام کے رکن اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ انقلاب پر آمادہ تھے۔ غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویش ناک تھی۔

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا۔ عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلامی روح زندہ تھی۔ سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے متحد تھے۔ ان میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا۔ حصول مقصد کے وسائل پر اختلاف رائے ہوتا تھا لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے۔ گو خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، لیکن خلافت کا نظام ان صاحب تدبیر و سیاست صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے چلتا تھا۔ جنہوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا۔ اس لیے ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھا۔ ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تحمل آپ کی نرمی اور تواضع و انکساری لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا اور خلافت کے رکن رکین حضرت کا دبدبہ و شکوہ کسی کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عربوں میں غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی۔ یعنی وہ قومیں جنہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا مسلمان نہ ہوئی تھیں اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوئی تھی، اس نے مسلمانوں میں اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا کہ ان کے نظام شوریٰ میں دخیل ہو سکے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتحاد و اتفاق اور

صولت فاروقی ؓ کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کی ہمت نہ ہوئی اور نہ کامیاب ہو سکتی تھی۔ اسلامی فوجوں میں غیر قوموں کا عنصر شامل نہ تھا۔ جدید الاسلام عربوں تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ میں متحد تھے۔ اکابر صحابہ ؓ کے ہاتھوں میں رہتی تھی اس لیے کسی پہلو سے غیر قوموں کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر ؓ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا۔

حضرت عمر ؓ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہیں۔ اس لیے اس زمانہ تک نظام خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی۔ حضرت عثمان ؓ کے زمانہ سے مٹنے لگیں۔ جس کے نتائج انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوئے اور حضرت علی ؓ کے دور میں قریب قریب سب ختم ہو گئیں۔ عہد رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہ ؓ جو خلافت کے رکن اعظم تھے' اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی۔ جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے۔ متعدد اکابر صحابہ ؓ کو حالات نے حضرت علی ؓ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہ و زبیر ؓ جو عشرہ مبشرہ میں تھے۔ آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ حضرت علی ؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے۔ ان کا دین و تقویٰ مسلم' لیکن ان میں بہت کم صاحب وتدبیر و سیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلے میں حضرت علی ؓ اصحاب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابن عباس ؓ نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لیے ہوئے امیر معاویہ ؓ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے' لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا' جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعد ؓ جیسے مدبر کو محض نوجوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہ ؓ کے ساتھ نوجوان نسل' جدید الاسلام

عرب اور نومسلم عجمی بھی تھے، جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی، بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔ آپ میں نہ حضرت ابوبکرؓ جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنالیتا تھا اور نہ حضرت عمرؓ جیسا دبدبہ وشکوہ تھا، جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، لیکن وہی معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی جو رائے قائم کر لیتے تھے، پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے، جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

ان سب سے زیادہ آپ کو نا کام رکھنے والے وہ نومسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ جنہیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ان ہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی۔ اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے۔ یہی لوگ تھے، جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پرفریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا۔ پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علیؓ کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا۔ پھر انہی میں سے وہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ غرض کسی موقع پر بھی انہوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا۔ ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے۔ گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ ضروری ہے، لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے

تھے۔ مثلاً عمالانِ عثمانی کی معزولی' خصوصاً امیر معاویہ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی' لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کردیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ' دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اسے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔ ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات میں بھی حق وصداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی بے جا نہ صرف ہونے دیتے تھے۔ دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی کامیابی کے لیے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اپنے حامیوں کے لیے خزانہ کا منہ کھول دیتے تھے۔

آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی داد و دہش مخالفین تک کا منہ بند کر دیتی تھی۔ ان تمام باتوں پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ مرتدوں' منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت سے تھا۔ جن کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کا بچہ بچہ متحد تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تھا' خصوصاً ام المومنین رضی اللہ عنہا کا معاملہ نہایت نازک تھا' جس میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم متردد ہو گئے تھے' گو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی' پھر بھی وہ ایک معزز صحابی رضی اللہ عنہ اور عرب کے نامور مدبر تھے اور غلط ہی سہی' لیکن عوام کو بھڑکانے کے لیے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا اور جس حد تک بھی نظام خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا۔ اس پر آشوب دور میں آپ نے بغاوتیں بھی فرو کیں اور فتوحات میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا۔

نظام خلافت کی اصلاح: ان سب سے بڑھ کر نظام خلافت کی اصلاح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافت راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اسے صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کی گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا' تاہم جہاں تک آپ کے بس میں تھا۔ آپ نے دوبارہ شیخین رضی اللہ عنہما کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ عثمانی دور میں جو بے عنوانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ انہیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم ونسق کو علی حالہ قائم رکھا' اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی۔ نجران کے یہودیوں نے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجاز سے نجران جلاوطن کر دیا تھا۔ دوبارہ حجاز میں بسنے کی درخواست کی۔ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون صاحب الرائے ہوسکتا ہے (کتاب الخراج' قاضی ابو یوسف) صوبوں کی تقسیم وہی رہی البتہ عمال سب بدل دیئے تھے اور دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔

فوج: حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے اس لیے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی۔ صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی' گو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقعہ نہ ملا' تاہم آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں اور قلعے تعمیر کرائے' اصطخر کا حصین زیادہ آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔ (طبری ص۔ ۳۴۵۰)

صیغہ مال: آپ نے صیغہ مال میں بھی بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا۔ آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا تھا۔ آپ نے انہیں قابل محصول قرار دیا۔ چنانچہ صحرائے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ (کتاب الخراج ص۔ ۶۹) اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے۔ بعض چیزوں پر سے محصول اٹھا دیا۔ عہد رسالت میں گھوڑے زکوۃ سے مستثنیٰ تھے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپ نے

اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منسوخ کر دیا۔ (کتاب الخراج ص ۶۹)

عمال کی اخلاقی نگرانی: عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا۔ وقتاً فوقتاً ان کو قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کے اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے ان کے طرز حکومت کی تحقیقات کراتے تھے اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے۔

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے تھے اور فرائض منصبی میں غفلت برتتے تھے انہیں لکھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا۔ تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے، چنانچہ انہیں طلب کر کے معزول کر دیا" (یعقوبی ج ۲، ص ۲۴۰)

ایک اور عامل کے متعلق مختلف شکایتیں وصول ہوئیں۔ اسے بڑا طویل خط لکھا، جس کا ضروری اقتباس یہ ہے:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو، تمہارے دسترخوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں۔ منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہل اباحت کا عمل ہے اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا۔ تم بیواؤں اور یتیموں سے حاصل کیے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب کر اللہ سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو، گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور اللہ کے حقوق ادا کرو"۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۲۳۸)

ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو' خراج ادا کر دو'۔ (یعقوبی ج۔۲'ص)۔

بیت المال کی حفاظت: بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمرؓ ہی کی طرح اہتمام تھا۔ اوپر جو واقعات لکھے گئے' وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لیے لکھا۔ انہوں نے انکار کیا' ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے فہمائش کرا کے واپس کرا دیا' اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں۔ (یعقوبی ج۔۲' ص۔۲۴۲) اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے۔ اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مانگ بھیجا۔ عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھیج دی۔ دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے۔ عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا' انہوں نے بتا دیا۔ آپ نے اسی وقت دونوں پیپے منگا لیے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا' اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۶۰) آنحضرتﷺ کے غلام ابورافعؓ بیت المال کے نگران تھے۔ انہوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھ کر پہچان لیا۔ پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا؟ میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کر دوں گا۔ ابورافعؓ نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا' حضرت علیؓ نے فرمایا تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو' جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی' جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا۔ ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۵۹)

ذمیوں کے ساتھ نرمی: ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے۔ذمیوں کو ایک عامل عمرو بن مسلمہ،جس کی درشت مزاجی کی شکایت تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کو تمہاری درشت مزاجی کی شکایت ہے۔اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہئے،لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے اور نرمی نقصان کی حد تک۔ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو،لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو''۔ (یعقوبی ج۔۲،ص۔۲۳۹)

ذمیوں کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی۔اس کے عامل قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے۔جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے،تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کر دو۔میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے۔بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں،یا عاجز و درماندہ ہو جائیں،یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں''۔ (یعقوبی ج۔۲،ص۔۲۴۰)

اہل عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

عدل و مساوات: آپ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت،خویش و بیگانہ،امیر و غریب سب برابر تھے۔اگر خود آپ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا۔ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس

ایسی نہیں جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں' کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ (ابن سعد ج، ق۔۲، ص۔۱۰۱)

فہم قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا۔ تفسیر کی کتابیں اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتوں سے معمور ہیں جنہیں نقل کرنے کا یہ موقع نہیں۔ تفسیر میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ نے آیتوں اور سورتوں کی نزولی ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ (ابن سعد ج' ق۔۲، ص۔۱۰۱) ابن ندیم نے فہرست میں اس ترتیب کی تفصیل دی ہے۔ (فہرست ابن ندیم ص۔۳۰)

آپ کو ذات نبوی ﷺ کے ساتھ گوناگوں خصوصیات کی بنا پر سماع حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ پھر وصال نبوی ﷺ کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم و ارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے اس لیے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعت صحابہ ؓ میں نہایت ممتاز تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔ گو کثیر الروایۃ صحابہ ؓ کی مرویات کے مقابلہ میں یہ تعداد کم ہے' لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے۔ آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ صحابہ ؓ میں جن بزرگوں نے احادیث نبوی قلمبند کیں' ان میں ایک حضرت علی ؓ بھی تھے' چنانچہ آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام صحیفہ تھا۔ (بخاری کتاب العلم)

کلام اللہ اور احادیث نبوی ﷺ میں وسعت علم کے ساتھ آپ میں اسی درجہ کی ذہانت' طباعی' دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی۔ آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ اصول و کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا۔ اس لیے فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور جماعت صحابہ ؓ میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ اکابر صحابہ ؓ فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف

لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصریؒ کو قاطبۃ حضرت علی ﷜ سے نسبت ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے۔ لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہل تصوف کی تائید کی ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

''صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصریؒ نے حضرت علی ﷜ سے فیض پایا تھا۔ (ازالۃ الخلفاء ص۔۱۷۴) خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا' پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔

آپ فصحائے عرب میں تھے' آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں۔ شریف رضی نے نہجۃ البلاغت کے نام سے آپ کے خطبات جمع کیے ہیں' گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب صحیح نہیں ہے' تاہم ان میں بہت سے آپ کے خطبات ہیں۔ ان کے علاوہ طبری' اخبار الطّوال' مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں' جو عربی ادب کے نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا' لیکن حضرت علی ﷜ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے' چنانچہ جو صحابہ ﷡ آنحضرت ﷺ کے فرامین لکھتے تھے ان میں ایک حضرت علی ﷜ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔ آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشاء کا دلکش نمونہ ہیں۔

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ ایک پورا دیوان آپ کی جانب منسوب ہے جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے' لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت

علی ؓ لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو شاعری سے ذوق تھا۔حدیث کی کتابوں میں آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہیں' چنانچہ معرکہ خیبر کا رجز بخاری میں ہے۔ (بخاری غزوہ خیبر) مستدرک نے حضرت فاطمہ ؓ کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔(مستدرک حاکم ج۔۳'ص۔۱۶۳) ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار لکھے ہیں۔(کتاب العمدہ ابن رشیق ص۔۱۴) فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی۔سب سے اول اپنے اصحاب میں سے ایک شخص ابوالاسود دوئلی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے۔انہوں نے ایک مرتبہ کسی عجمی کو کلام مجید غلط پڑھتے سنا تو اس کی تصحیح کے لیے نحو کی ضرورت محسوس ہوئی' چنانچہ انہوں نے حضرت علی ؓ کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کیے۔(فہرست ابن ندیم ص۔۶۶) غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون میں کمال حاصل تھا۔

سیرۃ المرتضیٰ ؓ: حضرت علی ؓ فطرتاً سلیم تھے۔آنحضرت ﷺ کے آغوش میں تربیت پائی تھی' اس لیے آپ کی ذات خلق نبوی کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی تصویر تھی۔

زھد: آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں زہد و تقویٰ ہے۔آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا۔زہد کے بارہ میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔(نووی ج۔۱'ص۔۳۴۶)

آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گزرے' لیکن کسی دور میں مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اٹھائی۔ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش و راحت کے سامان میسر آ گئے تھے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ کی آمدنی اتنی

ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوۃ ہوتی تھی، لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۱۲۵)

معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ (تہذیب الاسماء ص ۳۴۶) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں، اس پر تا عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ آپ کے ساز و سامان میں ایک مینڈھے کی کھال تھی، جو بستر کا کام دیتی تھی۔ (کنز العمال ج ۶، ص ۴۰۹) اور اوڑھنے کے لیے ایک مختصر سی چادر تھی کہ اگر سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا تھا اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔ کوئی ملازم نہ تھا، گھر کا سارا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ کئی کئی دن تک گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ ایک مرتبہ کئی فاقوں کی نوبت آ گئی۔ بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۱۳۵) ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا، اپنی تلوار بیچ کر خورد و نوش کا سامان کیا۔ (کنز العمال ص ۴۰۹)

عبادت و ریاضت: عبادت و ریاضت آپ کا مشغلہ تھا۔ زبیر بن سعید قریشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ (مستدرک ج ۳، ص ۱۰۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت محمد رسول اللہ والذین معہ الآیتہ میں رکعا سجداً سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (ترمذی کتاب المناقب علی رضی اللہ عنہ) آپ کی عبادت و ریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ: انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا۔ چالیس ہزار سالانہ زکوۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود عسرت زندگی آپ کے انفاق ہی

کا نتیجہ تھی۔ آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا۔ قوت لایموت تک سائلوں کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے۔ کلام اللہ کی یہ آیت ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا و یتیما واسیرا اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ (ابن جریر تفسیر آیت مذکور)

امانت و دیانت: آپ امین امت تھے' جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے۔ اس کے بعض واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے' لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی چادر اوڑھے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں' فرمایا میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۵۹) آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپ کے لیے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر لیے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے' لیکن آپ کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس لیے میں نے آپ کے لیے ایک چیز چھپا لی ہے۔ فرمایا وہ کیا؟ قنبر نے عرض کیا چل کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ آپ نے جا کر دیکھا تو سونے اور چاند کے برتن تھے۔ انہیں دیکھ کر فرمایا' تیری ماں تجھ کو روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ (کنز العمال ج۔۶' ص۔۴۹) اس قبیل کے بہت سے واقعات ہیں۔

شجاعت: شجاعت و شہامت آپ کا خاص وصف تھا' غزوات میں آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ

کارناموں سے معمور ہے۔اس لیے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

سادگی: آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔جاہ وحشم کا کیا ذکر' تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا۔اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے' حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔زمانہ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے پھرتے' بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے' کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے اور تاجروں اور دکانداروں کو یہ آیت تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا سنا کر فرماتے کہ یہ آیت عادل' متواضع اور صاحب قدرت والوں کے بارہ میں نازل ہوئی (کنز العمال ج۔٦'ص۔۴۹)

لباس و غذا: غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ایک مرتبہ عبداللہ زریر نامی ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا۔ابن زریر نے عرض کیا امیر المومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟فرمایا خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالیوں کا حق ہے۔ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل وعیال کو کھلائے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے پیش کرے۔(کنز العمال ج۔٦'ص۔۴۹) نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا۔فرمایا کتنا خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے' لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا' جس کا وہ عادی نہیں ہے۔(مسند احمد بن حنبل ج۔ا'ص۔۷۸)

سیرۃ المرتضیٰؓ پر ایک جامع تبصرہ: امیر معاویہؓ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان کیے تھے' جو آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے۔"وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے' فیصلہ کن بات کہتے تھے' عادلانہ فیصلہ کرتے تھے' ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی۔دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے وحشت کرتے تھے۔

رات کی تاریکی اوراس کی وحشت سے انس رکھتے تھے۔عبرت پذیر اور بہت غور وفکر کرنے والے تھے۔چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے۔ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے۔جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے' باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے' لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کرسکتے تھے۔وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کرسکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔بعض مواقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گزر رہی ہے' ستارے جھلملا رہے ہیں' وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بےقرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں۔"اے دنیا! کسی اور کو فریب دے' تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے' میری مشتاق ہے' افسوس! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں' تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے' ہائے ہائے سفر طویل' راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر تھوڑا ہے۔(کنز العمال ص۔۴۱۰) یہ اوصاف سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہا اللہ ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے' واللہ! وہ ایسے ہی تھے۔(روضۃ النضرہ ج۔۲'ص۔۲۱۲)

حضرت حسن بن علیؓ

(۴۰ھ تا ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۶۲ء)

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ آپ کے جانشین ہوئے۔

ترجمہ حسنؓ: حسن نام، ابو محمد کنیت، ریحانۃ النبی لقب، حضرت حسنؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آنحضرت ﷺ کی کل اولادیں آپ ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں اس لیے آپ ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ان میں بھی حضرت حسنؓ سے خاص انس و تعلق تھا اور ان کی بڑی ناز برداری فرماتے تھے۔ حسنؓ صورتاً نانا سے بہت مشابہ تھے۔ آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت میں پرورش پائی۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہ رہا۔ حضرت عثمانؓ کی مدافعت میں زخمی ہوئے، جنگ جمل و صفین میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔

خلافت: اوپر حضرت علیؓ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ دم آخر آپ سے لوگوں نے حضرت حسنؓ کی جانشینی کے بارہ میں پوچھا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ ''میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں، تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو'، گو آپ نے جمہور مسلمانوں کے حق انتخاب کا لحاظ کر کے حضرت حسنؓ کو نامزد نہیں فرمایا اور جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا' لیکن اوصاف و کمالات کے لحاظ سے حضرت حسنؓ جناب امیرؓ کے خلف الصدق تھے۔ اس لیے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہیں اٹھ سکتی تھی' چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بن سعد انصاریؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے۔ (طبری ج ۔ ۷، ص ۔ ۲) قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

پہلی تقریر: تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا:

''لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے۔ وہ کسی جنگ میں نا کام نہ لوٹا۔ میکائیل و جبرائیل چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کیے تھے''۔ (ابن سعد ج ۔ ۳، ق، ترجمہ علی رضی اللہ عنہ)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جارحانہ اقدام: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی۔ اس لیے انہوں نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو، متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے۔ جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا اندازہ تھا، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا، چنانچہ انہوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی اور ان کا مقدمتہ الجیش عبید اللہ بن عامر کی قیادت میں عین التمر سے ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا۔ (اخبار الطوال ص ۔ ۲۳۳)

مقابلہ کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے آگے بھیج دیا اور

خودان کے عقب سے روانہ ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ بیٹھتے تھے اسے چھین لیا' فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ (طبری ج۔ ۷' ص۔ ۹)

دینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلوتہی کا اندازہ ہوا' اس لیے آپ وہیں رک گئے اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی:

''لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا' اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں' جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو' وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے' جسے تم چاہتے ہو' میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اس لیے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا''۔

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ خارجیوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ اس نے کہا حسن رضی اللہ عنہ بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے آپ کا مصلی اور کپڑے چھین لیے۔ ان کا زغد دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے دوڑ کر خارجیوں کو ہٹا دیا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا' لپک کر حملہ کر دیا۔ آپ کی ران میں زخم آیا' خارجی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں داخل ہو گئے اور زخم بھرنے تک یہیں ہی مقیم رہے۔

ٹوٹ جائے گی۔ (استیعاب ج۔۱ص۔۳۶۹ومستدرک حاکم ج۔۳ترجمہ حسن ؓ)
آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارے پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ (ابن عساکر ج۔۲ص۔۲۱۹) خود حضرت حسن ؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے' جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے (مستدرک حاکم ج۔۳'ص۔۱۷۰) لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا۔آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے۔حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی تھیں۔ ملک کا امن وامان اٹھ گیا تھا۔ اس لیے چند شرائط پر آپ امیر معاویہ ؓ کے حق میں دست برداری کے لیے آمادہ ہوگئے اور امیر معاویہ ؓ کے پاس اپنی شرطیں لکھ کر بھیج دیں۔

شرائط صلح : مختلف تاریخوں میں شرائط کی دفعات وتفصیلات میں اختلاف ہے۔ دینوری کا بیان اس باب میں زیادہ مستند ہے اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق مصالحت کی دفعات یہ تھیں:

(۱) کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔

(۲) بلا استثناء سب کو امان دی جائے۔

(۳) اہل عراق کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے۔

(۴) دارالجبرہ کا پورا خراج حضرت حسن ؓ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

(۵) حسین ؓ کو دو لاکھ سالانہ دیئے جائیں۔

(۶) وظائف میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے۔

امیر معاویہ ؓ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر کر کے اکابر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبیداللہ بن عامر کے ذریعہ حسن ؓ کے پاس بھجوا دیا۔ (اخبار الطّوال ص۔۲۳۱) طبری نے دو روایتیں نقل کی

ہیں۔ پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تین شرطیں پیش کیں۔

(۱) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دے دیا جائے گا۔

(۲) دارالجبرہ کا خراج آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس طرح بر سر عام سب و شتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں۔ (طبری ج۔۷‘ص۔۲)

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرطیں لکھ کر بھیجی تھیں ان کے پہنچنے سے قبل ہی‘ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کر کے آپ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں چاہیں لکھ دیں سب منظور کی جائیں گی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ کاغذ ملا تو آپ نے پہلی شرطوں کی دوگنی شرطیں لکھ بھیجیں لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں نہیں مانا اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہیں کی‘ لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے۔ تمام مورخین کا ایفائے عہد پر اتفاق ہے‘ بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرائط کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے۔ بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی ملتی ہے کہ ”امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے“ لیکن یہ محض گھڑی ہوئی ہے۔ طبری‘ یعقوبی‘ مسعودی‘ ابن اثیر‘ کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ آئندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوئی ہے۔ یہ روایت محض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے زہر خورانی کے واقعہ کو جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر تھوپنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کئی برس پہلے ہوا تھا اور زہر کے اثر سے ہوا تھا۔ اگر یہ شرط مان لی جائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب قرین قیاس ہو جاتی ہے‘ لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آئندہ کسی موقعہ پر جو بار بار پیش آئے‘ کسی کی زبان سے سنی جاتی‘ لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یزید کی

ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے، یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ تمہارے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ اس لیے اب ان کی اولاد کو ہونا چاہیے۔ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سی دلیلیں دیں، لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی، بہر حال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں۔

شرائط کی زبانی تصدیق: شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد انصاریؓ کو جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تھے، صلح کی اطلاع دے کر انہیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا اب صرف دو صورتیں ہیں، یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لیں۔ یہ فوج بڑی سرفروش تھی، لیکن اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا اور جنگ روک کر قیس مدائن چلے آئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ واپس ہو گئے۔ آپ کے کوفہ جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کر دی۔ (اخبار الطّوال ص ۔۲۳۱، ۲۳۲)

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان: مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دست راست حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو مشورہ دیا کہ حسن رضی اللہ عنہ سے مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان کرا دو تا کہ لوگ خود ان کی زبان سے سن لیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی خوشی سے دست بردار ہوئے ہیں اور ان کی جانب سے آئندہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس لیے انہیں یہ پسند نہیں تھا، مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مجبور ہو کر انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دست برداری کے اعلان کی درخواست کی، آپ کو کیا عذر ہو سکتا

تھا‘ آپ نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا:

”امابعد! لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی‘ دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز‘ بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ ؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں‘ دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے اس سے دستبردار ہوتا ہوں پھر معاویہ ؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا‘ یہ خلافت تمہارے لیے چند روزہ سرمایہ ہے“۔ یہ سن کر امیر معاویہ ؓ بولے بس کیجئے اور عمرو بن العاص ؓ سے کہا‘ تمہارا مقصد حاصل ہو گیا‘ تم یہی سنوانا چاہتے تھے“۔ (استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن ص)

مدینہ کا قیام: اس خاتم الفتن دستبرداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول ﷺ لوٹ گئے اور تا عمر اپنے جد امجد کے جوار میں بسر کر دی۔ آپ کی مدت خلافت چھ مہینے سے لے کر سات مہینہ تک ہے۔ آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان ۴۰ھ متعین ہے لیکن دستبرداری کے زمانہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دستبردار ہوئے‘ اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ ماہ بنتی ہے۔

قیس بن سعد اور امیر معاویہ ؓ میں مصالحت: قیس بن سعد انصاری ؓ امیر معاویہ ؓ کے بڑے مخالف اور حضرت علی ؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے۔ یہ عرب کے نامور مدبر تھے‘ اس لیے امیر معاویہ ؓ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش میں تھے‘ مگر کامیاب نہ ہوئے‘ جب تک قیس مصر کے حاکم رہے اس وقت تک وہاں امیر معاویہ ؓ کا زور نہ چل سکا۔ ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس کی تفصیل اوپر حضرت علی ؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ حضرت علی

ؓ کے بعد قیس اسی طرح حضرت حسن ؓ کے وفادار رہے۔ عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ حضرت حسن ؓ کے حکم سے مجبور ہو کر وہ معاویہ ؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ تو آئے تھے' لیکن ان کی امارت کسی طرح تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ایک جماعت بھی امیر معاویہ ؓ سے لڑنے کے لیے ان کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اس لیے امیر معاویہ ؓ کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی اور وہ ہر قیمت پر ان سے صلح کے خواہش مند تھے۔ عمرو بن العاص ؓ نے ان سے کہا بھی کہ قیس سے مصالحت کی کوشش نہ کرو' بزور قوت ان کو مطیع بناؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیں' جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا۔ اس وقت میں ان سے نہ لڑوں گا۔ آخر میں امیر معاویہ ؓ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھ دیں سب منظور کیے جائیں گے۔ حضرت حسن ؓ دستبردار ہو ہی چکے تھے' قیس بے سہارا کب تک لڑتے' اس لیے آخر میں انہوں نے بھی چند شرائط پر صلح کر لی۔ امیر معاویہ ؓ نے ان کی تمام شرطیں منظور کر لیں اور ان کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا۔ (ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۶۳)

مصالحت کے اثرات و نتائج: حضرت حسن ؓ کی مصالحت کے نتائج ملک و ملت کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کی خونریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آ رہا تھا' بند ہو گیا۔ ملک میں امن و سکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی' وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس لیے اس سنہ کو "عام الجماعۃ" یعنی اتفاق و اتحاد کا سال کہتے ہیں۔ لیکن شیعان علی ؓ کی جانب سے حضرت حسن ؓ کو بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آپ کو مذل المومنین (مسلمانوں کو رسوا کرنے والے) مسود وجوہ المومنین (مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے) "عار

المسلمین، ننگ مسلمین کے القابات سے یاد کرتے تھے۔آپ نے نہایت صبر وسکون کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

وفات: دستبرداری کے ۹ سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے دیا گیا تھا' لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔یہ امیر کے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے۔ہم نے سیرۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم کے چھٹے حصہ میں مفصل بحث کی ہے' لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی۔ زہر نہایت قاتل تھا۔اس لیے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہوگئے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا' فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا۔فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی اجازت مانگ بھیجی۔آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو' اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنا' مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے' اگر یہ صورت پیش آئے تو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گور غریباں میں دفن کر دینا۔ (استیعاب ج۔۱' ص۔۱۴۵ و مروج الذہب ج۔۳' ص۔۸۰) زہر کھانے کے تیسرے دن باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

جنازہ پر جھگڑا: وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے

دوبارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے اجازت چاہی۔ آپ نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی' لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا ''حسن رضی اللہ عنہ کسی طرح روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن نہیں کیے جا سکتے۔ ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسن رضی اللہ عنہ کو دفن کرنا چاہتے ہیں' یہ نہیں ہوسکتا''۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور چلائے کہ: ''یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے''۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس یاددہانی پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اقلیم صلح و مسالمت کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو اس کی ماں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا (استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ)

ماتم: حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہو گئے' گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں فریاد و قال کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ ''لوگو! آج خوب رولو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔ (تہذیب التہذیب ج۔۲' ص۔۳۰۱)

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہ ملتی تھی۔ ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت اژدحام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی (تہذیب الکمال ص۔۸۹)

حلیہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ صورت اور سیرت دونوں میں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر

تھے۔

ازواج واولاد: آپ نے بکثرت شادیاں کیں۔ عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے' لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالہ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں۔ ان سے آٹھ لڑکے تھے۔ حسن' زید' عمر' ابوبکر' قاسم' عبدالرحمٰن' طلحہ' عبیداللہ۔

حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ: دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں۔ اس معیار کو ذرا اور اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک وقوم کی اصلاح وترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ کوئی معیار نہیں' لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا۔ آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی نہ ممالک فتح کیے' نہ فوجی وخزانہ جمع کیا' بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر' مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح وفلاح کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ حکومت کے بقاء وتحفظ اور اس کی توسیع کے لیے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے۔ اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لیے تخت حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے۔

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہواخواہوں میں سے ہر شخص دست برداری کے خلاف تھا' چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اللہ کے لئے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلایئے۔ آپ نے فرمایا تم خاموش رہو' میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔

(ابن اثیر ج ۔۳‘ص ۔۱۶۱)

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت میں غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا۔عرب کے نامور مدبر قیس بن سعد انصاری ؓ آپ کے مقدمتہ الجیش کی کمان کر رہے تھے اور آخر تک امیر معاویہ ؓ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے ۔ان کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے ۔(ابن عساکر ج ۔۳‘ص ۔۲۱۹) بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا ۔(مستدرک ج ۔۳‘ص ۔۱۷۰)

لیکن مسلمانوں کی پچھلی خونی تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی ۔حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا ۔مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی ۔ ملک میں بدامنی بپا تھی ۔آپ نے دیکھا کہ تخت حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی ۔ یہ سودا آپ کے لیے بہت گراں تھا ۔آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت وحکومت سے زیادہ عزیز تھا‘اس لیے امت کی بھلائی کے لیے آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا ۔

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیار ؓ کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا کہ ”میں نے ایک رائے قائم کی ہے امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے ۔ ملک میں فتنہ وفساد برابر بڑھتا جاتا ہے ۔خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں‘عزیز کو عزیز کا پاس نہیں‘ قطع رحم کی گرم بازاری ہے‘ راستے خطرناک ہو رہے ہیں‘ سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں‘ اس لیے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ میں چلا جانا چاہتا ہوں (ابن عساکر ج ۔۴‘ ص ۔۲۲۱‘۲۲۲)

ایک موقع پر جب کہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا‘

حدیث میں آپ کی روایات کی تعداد کل تیرہ ہے۔ جن میں سے اکثر حضرت علی ؓ سے مروی ہیں۔ آپ کے زمرہ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی ہے' فقہ میں آپ کو اتنا درک تھا کہ مدینہ کی صاحب علم و افتاء جماعت کے ایک رکن تھے۔ (اعلام الموقعین ج ۔۱' ص ۔۱۲) خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا۔ آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات' متانت سنجیدگی اور پند موعظت کی کتاب ہوتے تھے' جس کے بعض نمونے اوپر گزر چکے ہیں۔ شاعری سے ذوق تھا۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

فضائل اخلاق: مکارم اخلاق میں آپ خلق رسول ﷺ کا نمونہ تھے۔

استغنا و بے نیازی: آپ کے فضائل اخلاق میں استغناء و بے نیازی سرفہرست ہے۔ خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر استغنا و بے نیازی کا جو بلند نمونہ آپ نے پیش کیا وہ تاریخ میں بے مثال ہے۔

حلم: آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے۔ آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی۔ انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کے متعلق ''رغف انفہ'' (اس کی ناک خاک آلود ہو) سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ (الیعقوبی ج ۔۲' ص ۔۲۶۹) دست برداری کے بعد مخالفین آپ کے رو در رو ''مسلمانوں کے رسوا کرنے والے'' اور ننگ مسلمین کہتے تھے۔ آپ صرف اس قدر جواب دیتے کہ میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا' البتہ حکومت کے لیے ان کی خون ریزی پسند نہیں کی۔

مروان برسرعام منبر پر حضرت علی ؓ کو برا بھلا کہتا تھا۔ حضرت حسن ؓ سن کر پی جاتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ (تاریخ الخلفا ص ۔۱۸۹) ایک مرتبہ دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی۔ مروان نے آپ کی شان میں نہایت درشت کلمات استعمال کیے آپ سن کر خاموش ہو گئے۔ (تاریخ الخلفا ص ۔۱۸۹) آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا۔ حضرت

حسین ؓ نے اس سے فرمایا‘ اب روتے ہو؟ ان کی زندگی میں تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا‘ میں نے جو کچھ کیا‘ اس سے زیادہ حلیم وبردبار کے ساتھ کیا۔ (ابن عساکر ج۔۴‘ ص۔۲۱۶)

عبادت: اللہ کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی۔ امیر معاویہ ؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے۔ اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے۔ ’’فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے سلام کو جاتے ہیں اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آجاتے ہیں۔ (ابن عساکر ج۔۴‘ ص۔۲۰۶) سواریوں کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے ہیں‘ متعدد حج پاپیادہ کیے‘ فرماتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں۔ (تہذیب الاسماء ج۔۱‘ ص۔۱۵۸)

اصلاح عقائد: دین کی بنیاد عقائد کی صحت پر ہے۔ اسی زمانہ سے اہل بیت کی غلط محبت کے دعویداروں نے اہل بیت کے نام سے مذہب میں خرافات داخل کرنا شروع کر دیئے تھے۔ جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقائد کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے۔ شیعان علی ؓ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علی ؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے وہ زندہ ہو جائیں گے۔ حضرت حسن ؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے‘ اگر ہم کو اس کا یقین ہوتا کہ علی ؓ عنقریب ظاہر ہوں گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسین ؓ)

فیاضی وسیر چشمی: فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا۔ آپ بھی اپنی دولت اللہ کی راہ میں بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے۔ عمر میں تین مرتبہ اپنے کل

مال کا آدھا آدھا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا اور تنصیف میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی دے دیا۔ (اسد الغابہ ج۔۲، ص۔۱۳)

آپ کے دوست و دشمن دونوں آپ کی فیاضی سے یکساں متمتع ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ایک دشمن کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی، اس نے اہل مدینہ سے سوال کیا۔ لوگوں نے حضرت حسنؓ کا پتہ دیا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہیں؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں۔ (ابن عساکر ج۔۴، ص۔۲۱۴) اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں۔

اہل حاجت کی حاجت برآری: حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے۔ ایک حاجت مند آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اور فرمایا میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ (ابن عساکر ج۔۴، ص۔۲۱۴)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ تاریخ اسلام کا حصہ اول ختم ہوا